نقشہائے رنگ رنگ

انتخاب و ترجمہ

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

شائع کردہ شعبۂ اُردو، دہلی یونی ورسٹی دہلی،

نقشہای رنگ رنگ

غالب کی فارسی غزلیات و مثنویات کا انتخاب

انتخاب و ترجمہ

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

ریڈر شعبۂ اُردو۔ دہلی یونی ورسٹی۔ دہلی

سلسلۂ مطبوعات شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی - دہلی

اشاعت اوّل	۱۹۷۰ء
ناشر	شعبۂ اردو - دہلی یونی ورسٹی
مطبع	جمال پریس دہلی
قیمت	سات روپیہ

فہرست

سخن ہائے گفتنی

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

غالب اردو کے اُن دیدہ ور شاعروں میں سے ہیں جن کا کلام حلقۂ شام وسحر سے گزر کر جاوداں ہوگیا ہے۔ انھوں نے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کیا ہے اور اُس زمانے میں زندگی کو سنبھالا اور سنوارا ہے جب اقدار کی روشنیاں ایک ایک کر کے گل ہو رہی تھیں۔ انھوں نے دل سنگ کے اندر بتانِ آذری کا رقص دیکھا ہے اور فن میں اندیشہ و عقل کی آمیزش ضروری سمجھی ہے۔ انھوں نے ہمیں نئے خیالات دیئے۔ سوچنے کے لئے حکیمانہ انداز اور جانچنے کے لئے تنقیدی شعور ——— اس اسلوب میں مغل قلم کی شگفتگی ہے، اُس کا پُر معنی اختصار ہے۔ اُس کا ترکانہ بانکپن ہے ——— یہ انداز و اسلوب ان کے اردو اور فارسی دونوں کلام میں نظر آتا ہے۔ اُردو اور فارسی کے خانوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس دَور گاہِ کُہن میں فارسی سے بے تعلقی اتنی بڑھتی جاتی ہے کہ اکثر حضرات نے ان کی شاعرانہ عظمت کو صرف اُردو ہی کے ذریعہ پہچانا ہے حال آں کہ سچ بات یہ ہے کہ:

چو او رنگِ سعدی فرو شد ز کار — سخن گشت بر فرقِ خسرو نثار
ز خسرو چو نوبت بہ جامی رسید — ز جامی سخن را تمامی رسید
ز جامی و عرفی و طالب رسید — ز عرفی و طالب بہ غالب رسید

مجھے بڑی خوشی ہے کہ رفیق مکرم ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی نے غالب کے فارسی کلام کا انتخاب مع اردو ترجمہ کے کیا ہے جس کے ذریعے غالب کی عظمت کے نئے پہلو سامنے آئیں گے اور اُن کی قوتِ متخیلہ میں جو غیر معمولی "اپج اور پرواز" قدرت نے ودیعت کی تھی اُس کا اندازہ ہوگا۔

پیرس میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے مجھ سے فرمایا تھا کہ "آج کل بڑے کاموں کی اتنی یورش ہے کہ لوگ چھوٹے چھوٹے کاموں کو بھول جاتے ہیں۔ آپ غالب کے جشنِ صد سالہ کے موقع پر انتخابات کی اہمیت کو نظر انداز نہ کیجیے گا۔" دہلی یونی ورسٹی نے اس تاریخی موقع پر اشاریہ کلام غالب، کہرے کا چاند، دستنبو کا انگریزی ترجمہ، اُردوئے معلّٰی کا غالب نمبر، توضیحی ببلوگرافی اور انتخاب غالب (ڈاکٹر ذاکر حسین) چھوٹی بڑی چھ کتابیں شائع کی ہیں۔ خدا کرے یہ انتخاب جو "نقش ہائے رنگ رنگ" کے نام سے شائع ہو رہا ہے مذکورہ بالا ضرورت کو بدرجۂ احسن پورا کر سکے اور اس سے غالب شناسی میں مزید اضافہ ہو۔

شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی۔ دہلی

یکم جولائی ۱۹۷۰ء

پیش لفظ

غالب نے اپنے ایک حریف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

فارسی بین تا بہ بینی نقشہای رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگِ من است

اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ غالب کی شہرت کا دارومدار بڑی حد تک ان کے اردو کلام نظم و نثر پر ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ خود اپنی فارسی تخلیقات کو اردو سے زیادہ اہمیت دیتے تھے اور اپنے آپ کو فارسی کے نامور اساتذہ (عرفی و نظیری وغیرہ) کے جادۂ سخن کا رہ نورد جانتے تھے۔ اور اہل نظر کا اتفاق ہے کہ ان کا یہ فخر بے جا بھی نہ تھا۔

غالب کی صد سالہ یادگار کے موقع پر شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی متعدد اہم تالیفات اور مقالات شائع کر رہا ہے راقم نے بھی غالب کی غزلیات اور مثنویات کا انتخاب اور اس کے ساتھ اردو ترجمہ کیا ہے اور "نقش ہای رنگ رنگ" ڈرتے ڈرتے خود نقاش (غالب) کی روح کے حضور نذر کر رہا ہے جیسے کوئی شخص موتی سمندر کے پاس تحفتہً لائے یا پھول گلشن کو بطور ارمغاں لے جائے۔

ظاہر ہے کہ ایک فرد کا انتخاب ضرور نہیں کہ دوسرے اصحاب کی نظر میں بھی پسندیدہ ہو تاہم اس امر کی امکان بھر کوشش کی گئی ہے کہ اکثر اچھے اشعار (جن میں خیال کی ندرت یا زبان کی لطافت ہو) شامل

انتخاب ہو جائیں۔

اس کے ساتھ ترجمے میں اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ شاعر کے مفہوم کو واضح اور عام فہم انداز میں پیش کر دیا جائے۔ اردو دوستوں اور غالب کے قدردانوں سے امید ہے کہ اس ناچیز خدمت کو بہ نظر استحسان دیکھیں گے۔

توقع قبول روزِش باد

مجھے کمال سپاس اور جذبۂ منت پذیری کے ساتھ اس امر کا اعتراف ہے کہ جہاں کہیں انتخاب یا ترجمے میں مجھے کوئی دشواری پیش آئی۔ وہاں حضرت قبلہ و کعبہ پروفیسر ضیا احمد صاحب مدظلہ نے نہایت شفقت کے ساتھ میری رہنمائی فرمائی۔ زندگی میں اکثر ایسے موقع آتے ہیں کہ الفاظ کی کوتاہ دامانی جذبات کی وسعت کا ساتھ نہیں دیتی۔ یہ بھی کچھ ایسا ہی موقع ہے۔

اس نقش کی درستی میں جن اصحاب نے نمایاں حصہ لیا ہے، ان میں ایک ایسی لائق احترام ہستی بھی ہے جو بڑوں کے کارناموں کو اُجاگر کرنے والی بھی ہے اور چھوٹوں کو سعیِ عمل کی راہ میں بڑھاوا دینے والی بھی میری مراد محترم پروفیسر خواجہ احمد صاحب فاروقی سے ہے جن کی دلاسائی اور ہمت افزائی اس ناچیز خدمت کے بروئے کار آنے کی محرک ہوئی ہے۔

جناب رشید حسن خاں صاحب میرے دلی شکریے کے مستحق ہیں جنھوں نے ازراہِ لطف اس کتاب کی تیاری میں مجھے مدد دی۔

۳۰ اگست ۱۹۷۰ء

ظہیر احمد صدیقی

فارسی بین تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ

بگذر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگِ من است

(۱)

(۱) ای بخلاوملا خوی تو ہنگامہ زا
باہمہ در گفتگو بی ہمہ با ماجرا

(۲) شاہدِ حسن ترا در روشِ دلبری
طرۂ پُرخم صفاتِ موی میان ماسوا

(۳) آب نہ بخشی بزور خونِ سکندر ہدر
جان نہ پذیری بہیچ نقدِ خضر نارَوا

(۴) بزم ترا شمع و گل خستگی بوتراب
ساز ترا زیر و بم واقعۂ کربلا

(۱)

(۱) اے خدا خلوت وجلوت میں تیری عادت ہنگامہ زائی (کثرت آرائی) کی ہے۔
کہنے کو تو باہمہ (سب کے ساتھ) ہے لیکن حوادث عالم کے باوجود تو بے ہمہ (سب سے الگ یا ماوراء) ہے۔
(۲) تیرا حسن دل بری کے لحاظ سے ایک ایسا معشوق ہے کہ صفات کو اس کی زلفِ پُرپیچ اور ماسوا کو اس کا موئے کمر کہنا چاہیئے۔ صفاتِ الٰہی کو پیچیدہ ہونے کے اعتبار سے زلف اور ماسوا کو معدوم ہونے کے اعتبار کمر کہا گیا ہے۔
(۳) تیری قہرمانی کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی چاہے کہ زبردستی تجھ سے پانی ہی (آبِ حیات) حاصل کرے تو غیر ممکن۔ اس لحاظ سے سکندر کا (جو آبِ حیات سے محروم رہا) خون رائگاں ہی گیا۔ اور تیری بے نیازی کی یہ شان ہے کہ پیش کرنے والے جانِ عزیز تک پیش کرتے ہیں۔ مگر تو قبول نہیں کرتا۔ اس لئے کہنا چاہیئے کہ تیرے بازار میں حیاتِ خضر کا نقد بھی سکۂ کاسد کی حیثیت رکھتا ہے۔
(۴) تیری محفل میں حضرت علیؓ کا زخمی ہونا شمع دگل کی طرح رونقِ محفل کا

(۲)

(۱) بحرفی حلقہ در گوش افگنی آزاد مردان را
بخوانی مغز در شور آوری بالین پناہان را

(۲) ز شوقت بیقراری آرزو خسارا نہادان را
ببزمت لای خواری آبروی پرویز جاہان را

(۳) بداغت شادم امازین خجالت چون برون آیم
کہ رشکم در جحیم افگند جلد آرام گاہان را

(۴) بنازم خوبی خون گرم محبوبے کہ در مستی
کند ریش از نمکید نہا زبان عذر خواہان را

(۳)

(۱) خاموشی ما گشت بد آموز بتان را
زین پیش و گرنہ اثری بود فغان را

سبب ہے اور تیرے ساز کے لئے کربلا کا واقعہ زیر و بم کا حکم رکھتا ہے یعنی تیری محفل کی رونق تیرے شہیدوں کے خون کی رنگینی پر منحصر ہے۔[علہ]

(۲)

(۱) تو چاہے تو ایک بات میں بڑے بڑے آزادوں کو حلقہ بگوش کرے اور ایک خواب دکھا کر بڑے بڑے عیش پرستوں کو دیوانہ کر دے۔

(۲) مضبوط حوصلے والے تیرے شوق میں تڑپنے کے آرزومند ہیں اور خسرو پرویز جیسی شوکت رکھنے والے تیری بزم میں دُردِ تہِ جام مل جانے کو اپنے لئے سرمایۂ عزت خیال کرتے ہیں۔

(۳) میں تیرے داغِ محبت سے خوش ہوں لیکن اس شرمندگی سے کیوں کر عہدہ برآ ہوں کہ میرے رشک نے اہلِ جنت کو دوزخ کی سی اذیت میں مبتلا کر دیا ہے۔

(۴) اس بے تکلف محبوب کے قربان جاؤں جو عالمِ مستی میں معذرت کرنے والے (عاشق) کی زبان کو چوس کر زخمی کر دے۔

(۳)

(۱) ظلم پر میری خاموشی نے حسینوں کی عادتیں بگاڑ دیں (ان کو مغرور کر دیا) ورنہ اس سے پہلے فریاد میں اثر ہوا کرتا تھا۔

علہ اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

(۲) منّت کشِ تاثیرِ وفاییم کہ آخر
این شیوہ عیان ساخت عیارِ دگران را

(۳) بر طاعتیان فرخ و بر عشرتیان سہل
نازم شبِ آدینۂ ماہِ رمضان را

(۴) وادانست سگِ کوی توزین حد نشناسی
در پای تو می خواستم افشاند روان را

(۵) ای خاکِ درت قبلۂ جان و دلِ غالب
کز فیضِ تو پیرایۂ ہستیست جہان را

(۶) تا نامِ تو شیرینیِ جان دادہ بہ گفتن
در خویش فرو بُردہ دل از مہر زبان را

(۷) بر اُمتِ تو دوزخِ جاوید حرامست
حاشا کہ شفاعت نکنی سوختگان را

(۴)

(۱) حالِ ما از غیر می پُرسی و منّت می بریم
آگہی باریکتر آگہ نیستی از حالِ ما

(۲) ماہُمای گرم پروازیم فیض از ما مجوی
سایہ ہم چون دود بالا میرود از بالِ ما

(۲) میں وفا کی تاثیر کا احسان مند ہوں کہ بالآخر اس سے دوسروں (رقیبوں کے عشق) کا جرم کھل گیا۔

(۳) ماہِ رمضان کی شبِ جمعہ کے قربان جایئے جو عبادت گزاروں کے حق مبارک اور رندوں کے لئے سہل (معمولی) ہے

(۴) میں تیرے قدموں پر جان دینا چاہتا تھا لیکن تیرے سگِ کوچہ نے اس جسارت سے باز رکھا۔

(۵) اے[1] آقا تری خاکِ در غالب کا قبلۂ جان و دل ہے اور تیرا فیض جہاں کی زینت کا سبب ہے۔

(۶) جب سے تیرے نامِ مبارک نے گفتار کو شیرینی جاں بخشی ہے دل نے فرطِ محبت سے زبان کو اپنے اندر سمولیا۔ (اتار لیا)

(۷) تیری امت پر دوزخ میں ہمیشہ رہنا حرام ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تو ہم سوختہ نصیبوں کی شفاعت نہ فرمائے۔

(۴)

(۱) تو ہمارا حال غیر سے پوچھتا ہے اور ہم یہ خیال کر کے شکر گزار ہیں کہ تو کم از کم اس امر سے تو آگاہ ہے کہ ہمارے حال سے آگاہ نہیں

(۲) ہم گرمِ پروازِ ہما کی طرح ہیں۔ ہم سے فیض کی امید رکھنا عبث ہے کیونکہ سایہ ہمارے پروں سے دھوئیں کی طرح بالا بالا ہی نکل جاتا ہے یعنی زمین پر نہیں پڑتا (ہما کا سایہ موجبِ سعادت سمجھا جاتا ہے)[2]

---

[1] یہ تین اشعار نعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

[2] سایہ مرا مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے اسدؔ : پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

(۳) خاک را از بر ادرارِ معیّن داده اند!
بی می پارینہ بر ما رانده اند امسالِ ما

(۴) جان غالبؔ تاب گفتاری گمان داری ہنوز
سخت بیدردی کہ می پرسی ز ما احوالِ ما

(۵)

(۱) خستۂ عجزیم و از ما جز گنہ مقبول نیست
تکیہ دارد بر شکستِ توبہ استغفارِ ما

(۲) سر گرانیم از وفا و شرمساریم از جفا
آہ از ناکامیٔ سعی تو در آزارِ ما

(۶)

(۱) مکن ناز و ادا چندین دلی بستان و جانی ہم
دماغ نازکِ من برنمی تابد تقاضا را

(۲) دلِ مایوس را تسکین بمردن می توان دادن
چہ امیدست آخر خضر و ادریس و مسیحا را

(۳) خطی بر ہستیِ عالم کشیدیم از مژہ بستن
ز خود رفتیم و ہم با خویشتن بردیم دنیا را

(۳) قدرت نے خاک کو بارش کا روزینہ تو عطا کیا مگر ہم پر یہ سال بے پارینہ کے بغیر ہی گزرا۔

(۴) اے جانِ غالب تجھ کو اب بھی ہماری طاقت گفتار کا گمان ہے تو سخت بے درد ہے کہ ایسے میں ہم سے ہماری پرسش حال کرتا ہے۔

(۵)

(۱) ہم عاجز و مجبور ہیں اور ہم سے گناہ کے سوا اور کوئی چیز مقبول نہ ہوگی۔ حد ہوگئی کہ ہماری استغفار بھی توبہ کے ٹوٹنے پر بھروسہ رکھتی ہے۔

(۲) ہم اپنی وفا سے سرگراں بھی ہیں اور تیری جفا سے شرمسار بھی۔ ایسی حالت میں ہمیں اس کا افسوس ہے کہ ہمارے آزار کے بارے میں تیری کوشش ناکامی سے دوچار ہے۔

(۶)

(۱) اس قدر ناز و ادا نہ دکھا۔ دل و جان دونوں تیرے حوالے۔ کیوں کہ میری نازک مزاجی تقاضے کو برداشت نہیں کر سکتی۔ ؎۱

(۲) مایوس دل کو موت کی امید سے تسکین دی جا سکتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر خضر، ادریس اور مسیحا کو کس بات کی امید ہے۔

(۳) ہم نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور دنیا پر خط بطلان کھینچ دیا۔ یعنی ہم اپنے وجود

؎۱ دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا

(۴) ازین بیگانگیها میتراو آشناییها
حیا می ورزد و در پرده رسوا می کند ما را

(۷)

(۱) پس از مردن بخوابم دید نازم بدگمانی را
بخود پیچید کہ ہی ہی دی غلط کردم فلانی را
(۲) دلم بر رنج نابرداری فرہاد می سوزد
خداوندا بیامرز آن شہید امتحانی را
(۳) دریغ از حسرت دیدار ورنہ جای آن دارد
کہ بی رویت بدشمن داده باشم زندگانی را

(۴) چو خود را ذره گویم رنجد از حرفم زہی طالع
زخود می دانمم بی مہر نازم مہربانی را

(۵) بپاداش جان فشاندن شرمسارم کردمی دانم
کہ داند ارزشی نبود متاع رایگانی را

سے گذرے اور اپنے ساتھ دنیا کو بھی لے گئے۔

(۴) اس بے گانگی سے آشنائی مترشح ہوتی ہے۔ وہ ہم سے شرماتا ہے اور اس طرح درپردہ ہمیں رسوا کرتا ہے[۱]۔

(۷)

(۱) اُس بدگماں کے قربان جایئے کہ جب مرنے کے بعد مجھے اس نے خواب میں دیکھا تو پیچ و تاب کھا کر چلّا اٹھا کہ ارے میں نے فلاں شخص (غالب) کے بارے میں بڑا دھوکا کھایا۔

(۲) میرا دل فرہاد کی محرومی پر دُکھتا ہے۔ خدایا اس شہیدِ امتحان کی مغفرت کر۔

(۳) مجھے دیدار کی حسرت پر افسوس ہوتا ہے ورنہ وقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ تیری جدائی میں اپنی زندگی دشمن کے حوالے کر دیتا (یعنی حسرتِ دیدار کا پاس ہے جان کی پروا نہیں)

(۴) جب میں اپنے آپ کو ذرّہ کہتا ہوں تو وہ بے مہر بُرا مانتا ہے۔ اس مہربانی کے قربان جائیے کہ اس نے مجھے اپنا تو جانا۔ زہے نصیب (ورنہ قدرتی ہے کہ ذرے کو آفتابِ تاباں سے کیا تعلق ہوتا ہے)

(۵) میں نے اس کے قدموں پر جان دیدی۔ اور اس پر شرمندہ ہوں کیوں کہ جانتا ہوں کہ وہ اس امر سے آگاہ ہے کہ جنسِ ناچیز کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

---

[۱] دوستی کا پردہ ہے بے گانگی منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

(۸)

(۱) عرصه بر الفتِ اغیار چه تنگ آمده است
خوش فرو رفته بطبع تو خوشا کینهٔ ما

(۹)

(۱) دل خود از تست و هم از ذوقِ خریداری تست
این همه بحث که در سود و زیانست مرا

(۲) جوی از باده و جوی زعسل دارد خلد
لبِ لعل تو هم اینست و هم آنست مرا

(۳) چون پری زاد که در شیشه فرودش آرند
روی خوبت بدل از دیده نهانست مرا

(۴) خارها از اثر گرمی رفتارم سوخت
منتی بر قدم راه روانست مرا

(۱۰)

(۱) بیتو چون باده که در شیشه هم از شیشه جداست
نبود آمیزش جان در تنِ ما با تن ما

(۲) سایه و چشمه بصحرا دمِ عیشی دارد
اگر اندیشهٔ منزل نشود رهزن ما

(۸)

(۱) میری عداوت کیا خوب ہے جو تیرے دل میں اس طرح سما گئی ہے کہ اغیار کی محبت کے لئے اس میں گنجایش باقی نہیں رہی ۔

(۹)

(۱) دل تیرا ہی ہے اور یہ تمام بحث جو میں سود و زیاں کے بارے میں کر رہا ہوں وہ بھی تیری خریداری کے ذوق کو دیکھ کر کر رہا ہوں ۔

(۲) جنت میں ایک نہر شراب کی اور ایک نہر شہد کی ہوگی مگر تیرے لب لعل میں میرے لئے یہ بھی ہے اور وہ بھی ۔

(۳) تیرا حسین چہرہ آنکھوں سے اوجھل ہے مگر میرے دل میں اس طرح سما گیا ہے جیسے پری شیشے میں اتاری جاتی ہے ۔

(۴) میری گرمی رفتار کے اثر سے صحرا کے کانٹے جل گئے، اس لئے رہرووں کے قدموں پر میرا احسان ہے (کہ اب ان کا راستہ صاف ہوگیا)

(۱۰)

(۱) شراب کی طرح جو صراحی میں ہوتے ہوئے بھی صراحی سے جدا ہے تیرے بغیر میری جان تن میں رہتے ہوئے بھی اس سے الگ ہے ۔

(۲) اگر منزل تک پہونچنے کا خیال رہزنی نہ کرے تو دشت میں سائے اور چشمے کا ہونا ہی بہت غنیمت ہے ۔

(۱۱)

(۱) با بندۂ خود این ہمہ سختی نمی کنند
خود را بزور بر تو مگر بستہ ایم ما

(۲) سوز ترا روان ہمہ در خویشتن گرفت
از داغ تہمتی بجگر بستہ ایم ما

(۳) گوئی وفا ندارد اثر ہم بما گرای
زین سادگی کہ دل بہ اثر بستہ ایم ما

(۱۲)

(۱) در گود غربت آئینہ دار خود ہیم ما
یعنی ز بیکسان دیار خودیم ما

(۲) دیگر ز ساز بیخودی ما صدا مجوی
آوازی از گسستن تار خودیم ما

(۳) از بسکہ خاطر ہوس گل عزیز بود
خون گشتہ ایم و باغ و بہار خودیم ما

(۴) با چون توئی معاملہ بر خویش منت ست
از شکوۂ تو شکر گزار خودیم ما

(۱۱)

(۱) اپنے بندے کے ساتھ کوئی ایسی سختی نہیں کرتا کیا ہم زبردستی تیرے سر آپڑے ہیں جو ہم پر یہ سختی ہے۔

(۲) تیری محبت کی آگ کو روح نے بالکل اپنے اندر سمولیا۔ ہم جو جگر کے داغ کا رونا روتے ہیں وہ دراصل اس پر ایک تہمت ہے (یعنی اس آگ سے کسی کو حصہ نہیں ملا)

(۳) تم کہتے ہو کر وفا میں اثر نہیں ہوتا۔ تمہیں چاہیئے کہ اس سادہ لوحی پر ہی کہ ہم اثر سے لو لگائے بیٹھے ہیں ہماری طرف التفات کرو۔

(۱۲)

(۱) گرد غربت میں ہم خود اپنے آئینہ دار ہیں یعنی ہم اپنے دیار میں ایسے ہیں جس کا کوئی نہ ہو۔

(۲) میں اپنے تار کے ٹوٹنے کی آواز ہوں اس لئے اب میرے سازِ بے خودی سے کسی نغمے کی امید نہ رکھ۔ ؏

(۳) چونکہ ہوس گل کی خاطر عزیز تھی اس لئے اس کے واسطے ہمارا دل خون ہو گیا اور ہم خود اپنے باغ و بہار بن گئے۔

(۴) تجھ جیسے شخص سے سابقہ پڑنا اپنے اوپر احسان کرنا ہے اس بنا پر تیرے شکوؤں کی بدولت ہم خود اپنے شکر گزار ہیں (کہ یہ مرتبہ ہر کسی کو نہیں ملتا)

؏ نہ گل نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز ۔ میں ہوں اپنی شکست کی آواز

(۵) روی سیاه خویش زخود هم نهفته ایم
شمع خموش کلبهٔ تار خودیم ما

(۱۳)

(۱) کند گر فکرِ تعمیر خرابیهای ما گردون
نیاید خشت مثلِ استخوان بیرون زقالبها

(۱۴)

(۱) نیرزم التفاتِ دزد و رهزن بی نیازی بین
متاعم را بغارت داده انداز ناروایها
(۲) چه خوش باشد دو شاهد را بحثِ ناز پیچیدن
نگه در نکته زاییها نفس در سرمه ساییها
(۳) سخن کوته مرا هم دل بتقوی مایلست امّا
زننگ زاهد افتادم بکافر ماجراییها

(۱۵)

(۱) مانند خار زاری کآتش زنند در وی
سوزد زبیم خویت اجزای ناله هم را

(۵) ہم نے اپنا روئے سیاہ خود اپنے سے چھپا لیا ہے گویا ہم اپنے سیاہ خانے کی بجھی ہوئی شمع ہیں۔

(۱۳)

(۱) اگر آسمان ہماری ویرانی کی تعمیر کا ارادہ کرے تو ہمارے قالب سے استخوان جیسی کوئی اینٹ دستیاب نہ ہوگی (استخوان ہی اینٹ کا کام دے سکے گی)

(۱۴)

(۱) میں چور اور رہزن کی توجہ کے لائق بھی نہیں۔ ان کی (چور اور رہزن کی) بے نیازی تو دیکھو کہ انھوں نے میرے ساز و سامان کو بے مایہ سمجھ کر خود لٹا دیا۔
(۲) دو حسینوں کا نازکی بحث میں الجھنا کیا مزہ دیتا ہے کہ ایک طرف نگاہ نکتہ زائی (اشاروں میں باتیں کرنا) میں مشغول ہو اور دوسری طرف نقش سرمہ سائی (خاموشی) میں۔
(۳) قصہ مختصر۔ میرا دل بھی تقویٰ کی طرف مائل تھا مگر کیا کروں زاہد کی شرکت کے ننگ کی وجہ سے میں نے طریق کفر اختیار کیا۔

(۱۵)

(۱) اس خارزار کی طرح جس میں آگ لگ جائے تیری بدخوئی کے خوف سے میرے نالے کے اجزا ایک دوسرے کو جلا دیتے ہیں۔ یعنی میں خوف سے نالہ کی جرات نہیں کرتا۔[۱]

---

[۱] اللہ رے تیری تندی خو جس کے خوف سے اجزائے نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوئے

(۱۶)

(۱) زدردِ دل که بافسانه درمیان آید
به نیم جنبش سـرمی توان فریفت مرا

(۲) زبازنامدنِ نامه برخوشم که هنوز
بآرزوی خبـر بتوان فریفت مرا

(۳) شبِ فراق ندارد سحر ولی یک چند
به گفتگوی سحـرمی توان فریفت مرا

(۱۷)

(۱) زمن گرت نبود باور انتظار بیا
بهانه جوی مباش و ستیزهٔ کار بیا

(۲) بهانه جوست درالزام مدعی شوقت
یکی برغم دل ناامیدوار بیا

(۳) وداع ووصل جداگانه لذتی دارد
هزار بار برو، صدهزار بار بیا

(۴) زخوی تست نهاد شکیب نازک تر
بیا که دست ودلم میرود زکار بیا

(۱۶)

(۱) جب میں تجھے اپنی کہانی سناؤں اور درد دل کے بیان پر آؤں اس وقت تو چاہے تو معمولی جنبش سر سے مجھے دھوکا دے سکتا ہے (میں سمجھ لوں گا کہ تجھے میرے درد دل پر اعتبار ہے)

(۲) قاصد کے واپس نہ آنے پر بھی میں خوش ہوں کیونکہ ہنوز خبر ملنے کی آرزو سے میں دھوکا کھا سکتا ہوں (یعنی ایک امید تو لگی ہوئی ہے)

(۳) شب فراق کی صبح نہیں ہوتی البتہ تھوڑی دیر کے لئے صبح کا ذکر چھیڑ کر مجھے بہلایا جاسکتا ہے۔

(۱۷)

(۱) اگر تجھے میرے وقت انتظار ہونے کا یقین نہیں ہے، تو خود آکر دیکھ لے، بہانے تلاش نہ کر اور مخالفانہ چلا آ۔

(۲) تیرا شوق (جو مجھے ہے) رقیب کو قتل کرنے کے لئے بہانے تلاش کرتا ہے خدا کے لئے میرے دل ناامیدوار کی ضد پر میرے پاس چلا آ۔ (رقیب کا دعویٰ ہے کہ تو نہیں آئے گا۔ اگر تو چلا آئے گا تو میں اس کا منہ بند کرسکوں گا)

(۳) فراق و وصال میں ہر بار ایک جداگانہ مزہ ہے۔ ہزار بار جا اور لاکھ بار آ۔

(۴) میرے صبر کی فطرت تیرے مزاج سے زیادہ نازک ہے۔ جلد آ کہ میرے ہاتھ اور دل کام سے گئے۔

(۱۸)

(۱) چون بقاصد بسپرم پیغام را — رشک نگذارد که گویم نام را
(۲) گشته در تاریکی روزم نهان — کو چراغی تا بجویم شام را

(۳) تا نیفتد هر که تن پرور بود — خوش بود گر دانه نبود دام را

(۱۹)

(۱) آدن که چین جستم و گردون عوض گل
در دامن من ریخته پای طلبم را

(۲) ز لذت بیداد تو فارغ نتوان زیست
دریاب عیار گلهٔ بی سببم را
(۳) ترسم که دهد نالہ جگر را بدریدن
قطع نظر از جیب بدوزید لبم را

(۲۰)

(۱) وه که پیش از من بپابوس کسی خواهد رسید
سجدهٔ شوقی که می بالد به پیشانی مرا

(۱۸)

(۱) جب میں قاصد کو پیام سونپتا ہوں تو رشک مانع آتا ہے کہ تیرا نام لوں۔[۱]
(۲) میرا دن اس قدر تاریک ہے کہ شام بھی اس کی ظلمت میں چھپ گئی۔ آہ چراغ کہاں۔ جس کی مدد سے میں اس (شام) کو ڈھونڈ نکالوں۔
(۳) اچھا ہے اگر دام کے ساتھ دانہ نہ ہو تاکہ اہل ہوس کو اس میں گرنے کی خواہش نہ ہو[۲]۔

(۱۹)

(۱) آہ میں تو باغ کا طالب تھا مگر آسمان نے پھول کے عوض میرے دامن میں میرے ہی پائے طلب کو ڈال دیا (یعنی پائے طلب چلنے سے معذور ہو کر دامن کے سایے میں آگیا)
(۲) تیرے ظلم و جور میں جو لذت ہے اس سے کوئی کیوں کر بے نیاز رہ سکتا ہے میرے گلۂ بے سبب کی بنا سچ پوچھو تو یہی (لذت جور) ہے
(۳) میں ڈرتا ہوں کہ نالہ کہیں جگر کو شق نہ کر دے۔ چارہ گر گریبان کا خیال چھوڑ۔ اور اس کے عوض میرے ہونٹوں کو سی دے

(۲۰)

(۱) افسوس کہ وہ سجدہ جو میری جبینِ شوق میں تڑپ رہا ہے مجھ سے پہلے

---

[۱] چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں — ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

[۲] طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ — دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

(۲) تشنہ لب بر ساحل دریا ز غیرت جان دھم
گو بموج افتد گمان چین پیشانی مرا

(۲۱)

(۱) از وھم قطرگیست کہ در خود گمیم ما
اما چو وارسیم ھمان قلزمیم ما

(۲) مردم بکینہ تشنۂ خون ھمند و بس
خون می خوریم چون ہم ازین مردمیم ما

(۲۲)

(۱) بپایان محبت یاد می آرم زمانی را
کہ دل عہدِ وفا نابستہ دادم دلستانی را

(۲) فسونی کو کہ بر حال غریبی دل بدرد آرد
بداندیشی باندوہ عزیزان شادمانی را

(۳) ندارم تاب ضبط راز و می ترسم ز رسوایی
مگر جویم ز بہر ہمزبانی بیزبانی را

کس کی قدمبوسی کا شرف حاصل کرے گا۔

(۲) اگر مجھے موجِ دریا پر چینِ جبیں کا گمان ہو تو غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ساحل ہی پر پیاسا جان دیدوں اور پانی کی طرف نہ دیکھوں۔

(۲۱)

(۱) اپنے کو قطرہ سمجھنے کے وہم کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم سمٹ کر اپنے اندر گم ہوگئے ہیں ورنہ اگر ہم اپنی حقیقت کو پالیں تو ہم ہی سمندر ہیں[1]

(۲) لوگ آپس کی عداوت کی وجہ سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ چوں کہ ہم بھی انھیں میں سے ہیں مجبوراً خون دل پیتے ہیں (دوسروں کا نہیں۔ ہم اپنا ہی خون پیتے ہیں)

(۲۲)

(۱) انجام محبت میں وہ زمانہ یاد آتا ہے جب میں نے عہدِ وفا لیے بغیر ایک دلستاں کو دل دے دیا تھا۔

(۲) کاش کوئی ایسا منتر ہوتا جس کے اثر سے ایک بداندیش کو جو عاشقوں کی مصیبت پر خوش ہوتا ہے (یعنی محبوب کو) غریبوں کے حال پر رحم آتا۔

(۳) ایک طرف مجھے ضبطِ راز کی طاقت نہیں۔ اور دوسری طرف رسوائی کا ڈر بھی لگا ہوا ہے بس یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اپنی ہم زبانی

---

[1] دل ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر　　ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

(۲۳)

(۱) خوش وقت اسیری کہ برآمد ہوس ما
شد روز نخستین سبد گل قفسِ ما

(۲) حیرت زدۂ جلوۂ نیرنگ خیالیم
آئینہ مداریدبہ پیشِ نفسِ ما

(۳) آوازۂ شرع از سر منصور بلندست
از شب روی ماست شکوہ عسسِ ما

(۴) دردہر فرو رفتہ لذّت نتوان بود
بر قند نہ بر شہد نشیند مگسِ ما

(۵) خرسندیِ غالب نبود زین ہمہ گفتن
یک بار بفرمای کہ ای ہیچکس ما

(۲۴)

(۱) بنظم و نثر مولانا ظہوری زندہ ام غالبؔ
رگ جان کردہ ام شیرازہ اوراقِ کتابش را

کے لئے کس بے زبان کو تلاش کروں۔

(۲۳)

(۱) اسیری کا خدا بھلا کرے کہ ہماری آرزو برآئی اور پہلے ہی دن سبد گل ہم را قفس بنا۔

(۲) ہم خیالات کی نیرنگی کے جلوے کو دیکھ کر حیران رہ گئے ہیں۔ ہم پر سکتے کا گمان نہ کرو اور (ہماری سانس دیکھنے کے لئے) ہمارے سامنے آئینہ نہ رکھو۔

(۳) جس طرح منصور کے قتل سے شریعت کا بول بالا ہوا، اسی طرح اہل سیاست کی شان و شوکت چوروں کی سرگرمیوں کی بدولت قایم ہے۔

(۴) دنیا میں رہ کر لذتوں میں ڈوبا رہنا مناسب نہیں۔ ہم ایسی مکھی سے مشابہ ہیں جو شہد پر نہیں بلکہ شکر پر بیٹھتی ہے۔

(۵) غالب اپنی تعریف سے خوش نہیں ہوتا۔ اس کے لئے صرف اس قدر کافی ہے کہ تم اس کو اپنا ناچیز غلام کہہ کر پکارو۔

(۲۴)

(۱) غالب میں ظہوری کی نظم و نثر کی بدولت زندہ ہوں۔ اور میں نے اپنی رگ جاں کو اس کے اوراق دیوان کا شیرازہ بنا دیا ہے۔

(۳۵)

(۱) درازیِ شبِ ہجران زحد گذشت بیا
فدای روی تو عمرِ ہزار سالۂ ما

(۳۶)

(۲) چو غنچہ جوششِ صفای تنش زبالیدن
دریدہ برتن نازک قبای تنگش را

(۳۷)

(۱) داغم کہ در ہوای سرِ دامن کیست
درخونِ من زناز فرو بردہ چنگ را

(۲) در گوشہ ای حنزیدہ زاندوہ بیکسی
آن برشکستہ خلوتِ دلہای تنگ را

(۳) شوخیکہ خود زنام وفا ننگ داشتی
برباد میدہد بوفا نام وننگ را

(۴) غالب زعاشقی بسندیمی رسیدہ ام
نازم ستگرفت کاری بختِ دو رنگ را

(۳۵)

(۱) تیرے روئے زیبا پر ہماری عمرِ ہزار سالہ قربان ہو۔ شبِ ہجر کی درازی حد سے بڑھ گئی، اب تو آجا۔

(۳۶)

(۱) محبوب کی لطافتِ تن نے بڑھ کر غنچہ کی طرح اس کے نازک جسم پر قبائے تنگ کو چاک چاک کر دیا

(۳۷)

(نوٹ):۔ ذیل کے اشعار میں معشوق کے کسی دوسرے پر عاشق ہونے کا بیان ہے۔

(۱) میں اس لئے جل رہا ہوں کہ وہ محبوب جس کے ہاتھ میرے خون رنگے ہوئے ہیں آج کل کسی اور کے دامن کا سہارا ڈھونڈھ رہا ہے۔

(۲) وہ جس نے عاشقوں کے دلہائے تنگ کی خلوتیں درہم برہم کر دی تھیں اب بےکسی کے غم سے گوشہ گیر ہے۔

(۳) وہ شوخ جو خود وفا کے نام سے عار رکھتا تھا اب وفا اختیار کر کے اپنے نام و ننگ کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔

(۴) غالبؔ مجھے انقلابِ زمانہ کی بوالعجبی پر ناز ہے کہ عاشقی سے ندیمی کے مقام پر فائز ہو گیا ہوں (یعنی پہلے اس پر عاشق تھا اب میں اس کا ندیم بن گیا ہوں)۔

(۲۸)

(۱) سوزد زبسکہ تاب جمالش نقاب را
دانم کہ درمیان نہ پسندد حجاب را

(۲) نازم فروغ بادہ زعکس جمال دوست
گوئی فشردہ اند بجام آفتاب را

(۲۹)

(۱) نباشد دیدہ تاحق بین مدہ دستوری اشکش
چو گوہر سنج کو پیش از گہر سنجد ترازو را

(۳۰)

(۱) حسرت وصل ازچہ رو چون بخیال سرخوشیم
ابر اگر بایستد بر لب جو ست کشت ما

بادہ اگر بود حرام بذل خلاف شرع نیست
دل نہ نہی بجوب ما طعنہ مزن بزشت ما

(۳۱)

(۱) مشتاق عرض جلوہ خویش است حسن دوست
از قرب مژدہ دہ نگہ نارسای را

(۲۸)

(۱) چوں کہ اس کے حسن کی گرمی نقاب کو جلا دیتی ہے اس لئے میں جانتا ہوں کہ وہ حجاب کو پسند نہیں کرتا۔

(۲) جمال دوست کے عکس سے شراب کو چار چاند لگ گئے۔ گویا پیالے میں کسی نے آفتاب کو نچوڑ دیا ہو۔

(۲۹)

(۱) جیسے جوہری موتی تولنے سے پہلے ترازو کو تاڑتا ہے۔ اسی طرح جب تک آنکھ حق بیں نہ ہو اس کو آنسو بہانے کی اجازت نہ دے۔

(۳۰)

(۱) جب ہم اس کے خیال میں مست ہیں تو حسرت وصل کا کیا سوال۔ اگر بارش نہ ہو تو کیا پروا، ہماری کھیتی خود دریا کے کنارے ہے۔

(۲) اگر شراب حرام ہے تو کم از کم بذلہ سنجی تو خلاف شرع نہیں ہے اے مخاطب تو اگر ہمارے ہنر کو پسند نہیں کرتا تو ہمارے شیشہ پر بھی طعنہ زن نہ ہو۔

(۳۱)

(۱) اپنی نگاہ نارسا کو قرب دوست کا مژدہ دے کیوں کہ اس کا حسن خود جلوہ نمائی کا مشتاق ہے۔

(۲) حسن بتان ز جلوهٔ ناز تو رنگ داشت
بیخود ببوی باده کشیدیم لای را

(۳) گر چشم اشک از وست و گر سینه آه ازوست
با کیست داوری دل درد آزمای را

(۴) مردم ز فرطِ ذوق و قتلی نمی شوم
یارب کجا برم لبِ خنجر ستای را

(۳۲)

(۱) ای لذّتِ جفای تو در خاک بعدِ مرگ
با جان سرشته حسرتِ عمر دوباره را

(۳۳)

(۱) دلا گر داوری داری بچشم سرمه آلودش
نخستم بیزبان کن تا بکار آیم گواهی را

(۲) مرو در خشم گر دستی بدامان تو زد غالب
دمیکش من نمیداند طریقِ داد خواهی را

(۲) محبوب کے ناز کے جلوے سے بُتوں کے حُسن میں رنگینی پیدا ہو گئی یوں کہیے کہ ہم شراب کی خوشبو سے مست ہو کر بے خودی میں تلچھٹ چڑھا گئے (محبوب حقیقی کے حسن کو شراب اور بتوں کے حسن کو تلچھٹ قرار دیا ہے)

(۳) ہمارے پاس اگر آنکھ ہے تو آنسو اس (دوست) کا صدقہ ہے اور اگر سینہ ہے تو آہ اس کی دین ہے۔ دیکھو تو دلِ دردآزما کو سابقہ بھی پڑا تو کس سے۔

(۴) میں انتہائے ذوقِ شہادت سے مرگیا اور پھر بھی تسکین نہ ہوئی۔ یارب ان لبوں کو کہاں لے جاؤں جن کا خنجر کی تعریف کرتے کرتے منہ تھکتا ہے۔

(۳۲)

(۱) اے دوست تیری جفا میں وہ مزہ ہے کہ مرنے کے بعد خاک میں مجھ کو دوبارہ جینے کی حسرت باقی ہے (تاکہ دوبارہ زندہ ہو کر جفائیں اٹھا سکوں)

(۳۳)

(۱) اے دل اگر تجھ کو اس کی چشمِ سُرمگیں پر دعویٰ ہے تو پہلے مجھے بے زبان کر دے تاکہ میری بے زبانی گواہ بن سکے۔

(۲) اگر غالب نے تیرا دامن تھام لیا تو غصہ نہ کر۔ میں اس بات کا ضامن ہوں کہ یہ بے چارہ دادخواہی کے آداب سے ناواقف ہے۔

(۳۴)

(۱) می باندازه حرام آمده ساقی برخیز
شیشهٔ خود بشکن بر سر پیمانهٔ ما
بچراغی نرسیدیم درین تیره سرا
شمع خاموش بود طالع پروانهٔ ما
مو برآید ز کف دست اگر دهقان را
نیست ممکن که کشد ریشه سر از دانهٔ ما

(۳۵)

(۱) تا ز خونِ که ازین پرده شفق باز دمد
رونقِ صبح بهارست گریبانِ ترا
(۲) ندمد بوی کباب از نفس غیرِ خوشم
می شناسم اثر گرمی پنهانِ ترا

(۳) چشم آغشته بخون بین و ز خلوت بدر آی
اینک ابر شفق آلوده گلستانِ ترا
(۴) آئی از بزم رقیب و سر راهت میرم
تا ربایم دل از نازِ پشیمانِ ترا

(۳۴)

(۱) شراب کی کوئی حد مقرر کرنا حرام ہے۔ ساقی اُٹھ اور ہمارے پیمانے پر اپنی صراحی توڑ دے (الٹ دے)

(۲) اس تاریک دنیا میں کسی چراغ تک ہماری رسائی نہ ہوئی۔ ہم ایسے پروانے سے مشابہ ہیں جس کے نصیب میں شمع خاموش آئی ہو۔

(۳) اگر بالفرض کسان کی ہتھیلی پر بال نکل آئیں تو بھی یہ ممکن نہیں کہ ہمارے دلنے سے کونپل پھوٹے۔

(۳۵)

(۱) اے محبوب تیرے گریبان میں صبح بہار کی دل آویزی ہے دیکھئے کس کے خون سے اس پردہ میں شفق پھولے۔ (اُس کو دیکھ کر کس عاشق کا خون ہو)

(۲) رقیب کی آہ سے کباب کی بو نہیں آتی۔ اور میں یہ سمجھ کر خوش ہوں (کہ اس کو تیرے عشق کی ہوا نہیں لگی) تیرے ربطِ پنہاں کی گرمی کا اثر میں ہی جانتا ہوں۔

(۳) میری خون بار آنکھوں کو دیکھ اور خلوت سے باہر نکل۔ دیکھ تو تیرے باغ پر کیسا شفق آلود ابر گھر کر آیا ہے۔

(۴) تو رقیب کی بزم سے آتا ہے اور میں تیری راہ میں جان دے دیتا ہوں تاکہ تیرے دل کو جو ناز سے پشیمان ہے تُبھا سکوں۔

(۳۶)

(۱) خرابیم ورضایش درخرابیهای ما باشد
زچشم بد نگهدارد خدا ما دوستکامان را

(۲) بسا افتاده سرمست و بسا افتاده در طاعت
تو دانی تا به لطف از خاک برداری کدامان را

(۳۷)

(۱) نگویم تازه دارم شیوهٔ جادو بیانان را
ولی در خویش بینم کارگر جادوی آنان را

(۲) ندارد حاجت لعل و گهر حسن خداداد ت
عبث در آب و آتش رانده‌ای بازارگانان را

(۳) عوض دارد گر آزارد لم آزرده می خواهم
بقتل خویش دست و ساعد نازک میانان را

(۴) بلفظ عشق صد ره کوه و دریا در میان گفتن
بیاموزید تا پیشش برید افسانه خوانان را

(۵) مرنج از نارواییِ بی نیازی عالمی دارد
حکایتها بود با خویشتن مر بیسر و پایان را

(۶) نگیرد دیگران را حق بجرمی کز یکی بخشد
سرت گردم شفیعی روز محشر دلستانان را

(۳۶)

(۱) ہم تباہ حال ہیں اور دوست کی مرضی یہی ہے کہ تباہ حال رہیں، خدا ہم دوست کام عاشقوں کو نظرِ بد سے بچائے (دوست کام وہ شخص جس کی زندگی دوست کی مرضی کے مطابق ہو)

(۲) بہت سے گناہوں میں سرمست پڑے ہیں اور بہت سے عبادت میں محو. (خدا) بہتر جانتا ہے کہ از راہ لطف کس کو خاک سے اٹھائے.

(۳۷)

(۱) میں یہ تو دعویٰ نہیں کرتا کہ اگلے جادو بیانوں کی طرز کو میں نے زندہ کیا ہے البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ مجھ پر ان کا جادو ضرور چل گیا ہے.

(۲) تیرے حسن خدا داد کو لعل و گہر کی ضرورت نہیں. پھر تو نے سوداگروں کو فضول لعل و گہر کی تلاش میں آب و آتش میں الجھا دیا ہے (آب سے گہر کا اور آتش سے لعل کا تعلق ظاہر ہے)

(۳) اگر میرے آزار کا کوئی معاوضہ ہو سکتا ہے تو یہی کہ نازک کمر حسینوں کے دست و بازو میرے قتل سے آزردہ ہوں (دکھ جائیں)

(۴) افسانہ خوانوں کو عشق کی بولی میں کوہ و دریا کی حکایات سکھادو تاکہ اس حیلے سے ان کو دوست کے سامنے پیش کر سکو (یعنی شاید اس حیلے سے وہ عشاق کے حال سے واقف ہو جائے)

(۵) کساد بازاری سے آزردہ نہ ہو کہ بے نیازی میں بھی ایک شان ہے بے زبان اگر کسی سے بول نہیں سکتے تو کم از کم اپنے آپ سے تو باتیں کر سکتے ہیں۔

(۶) خدا اگر کسی کا کوئی جرم بخش دیتا ہے تو اس جرم پر دوسروں سے مواخذہ نہیں کرتا. میں تیرے قربان تو اس طرح قیامت میں دوسرے

(۷) ؁ بینی برگ رز زرگشت و گل کبریت احمر شد
کند پاییز گویی کیمیاگر باغبانان را

دل ستانوں (معشوقوں) کا شفیع بن جائے گا (یعنی تجھے خدا معاف کردے گا اور تیری بدولت دوسروں کو بھی معافی کا پروانہ مل جائے گا.

(۷) کیا تم نہیں دیکھتے کہ خزاں میں انگور کی بیل کا پتا سونا، اور گل گوگرد سرخ (اکسیر) معلوم ہوتا ہے۔ گویا یہ موسم باغبانوں کو کیمیا گر بنا دیتا ہے۔

ردیف "ب"

(۳۸)

(۱) عالم آیینۂ رازست چہ پیدا چہ نہان
تاب اندیشہ نداری بنگاہی دریاب

(۲) گر بہ معنی نرسی جلوۂ صورت چہ کمست
خم زلف و شکن طرف کلاہی دریاب

(۳۹)

(۱) گر پس از جور بانصاف گراید چہ عجب
از حیا روی بما گر ننماید چہ عجب

(۲) رسم پیمان بمیان آمدہ خود را نازم
گفتہ باشد کہ زبستن چہ کشاید چہ عجب

(۳) طرۂ درہم و پیراہن چاکش نگرید
اگر از ناز بخود ہم نگراید چہ عجب

ردیف "ب"

(۳۸)

(۱) عالم کا ظاہر و باطن دونوں آئینۂ راز ہیں اگر تجھ کو غور کرنے کا حوصلہ نہیں تو کم از کم اس پر سرسری نظر ہی ڈال لے[۱]۔

(۲) اگر تو معنی (باطن) تک نہ پہنچ سکے تو صورت (ظاہر) کا جلوہ ہی کیا کم ہے اور زلف کے پیچ اور طرف کلاہ کی شکن تک ہی رسائی بہت ہے کیوں کہ مجاز حقیقت کا زینہ ہے)

(۳۹)

(۱) اگر محبوب ظلم کے بعد انصاف پر مائل ہو تو کیا تعجب۔ اگر وہ حیا سے مجھے منہ نہ دکھائے تو کیا عجب ہے (حیا سے مراد ہے اپنے مظالم پر شرم) [۲]

(۲) پیمان محبت باندھنے کی میری خواہش پر اس نے یہی کہا ہوگا کہ پیمان باندھنے سے کیا کشود کار ہوگی۔ پھر بھی میں اپنی قسمت پر ناز کرتا ہوں کہ عہد و پیمان کی رسم کا ذکر تو درمیان میں آیا۔

(۳) اس کی پریشان زلف اور چاک چاک پیراہن تو دیکھو۔ اگر وہ ناز سے خود اپنی جانب بھی التفات نہ کرے تو کیا عجب ہے (ناز کا خاصہ یہ

---

[۱] نہیں گر سر و برگ ادراک معنی   تماشائے نیرنگ صورت سلامت

[۲] ظلم سے باز آئے پر باز آئیں کیا!   کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا

(۴) هرزه میرم شمردوزپی تعلیم رقیب
بوفا پیشگیم گر بستاید چه عجب

(۵) کار با مطربهٔ زهره نهادی دارم
گر بهم ناله به هنجار سراید چه عجب

(۶) آنکه چون برق بیک جای نگیرد آرام
گله اش در دل اگر دیر نپاید چه عجب

(۷) با چنین شرم که از هستی خویشش باشد
غالب ار رخ بره دوست نساید چه عجب

(۴۰)

(۱) بقدر شام هجرانش درازی باد عمرش را
فلک نیز از کواکب سبحه ها گردانده است امشب

(۲) بخوابم میرسد بند قبا واکرده از مستی
ندانم شوق من بردی چه افسون خوانده است امشب

(۳) خوشست افسانهٔ دردِ جدائی مختصر غالب
به محشر می توان گفت انچه در دل مانده است امشب

ہے کہ انسان کسی کی جانب التفات نہ کرے حتیٰ کہ اپنے سے بھی غافل ہو جائے[۱]

(۴) وہ جانتا ہے کہ میں (غالبؔ) بے وجہ جان دیتا ہوں پھر بھی اگر رقیب کو سکھانے کی غرض سے میری وفا پیشگی کی تعریف کرے تو مقامِ تعجب نہیں

(۵) مجھے ایک زہرہ خصال مطربہ سے سابقہ پڑا ہے۔ پس اگر میرے لب سے نالۂ موزوں دُھن کے ساتھ نکلے تو کیا عجب۔

(۶) وہ (محبوب) بجلی کی طرح ایک جگہ قرار سے نہیں بیٹھتا۔ اس لئے اگر اس کی شکایت بھی دیر تک دل میں نہ ٹھہرے تو کیا عجب۔

(۷) غالبؔ کو اپنے وجود سے شرم آتی ہے اگر اس خیال سے وہ دوست کی راہ میں پیشانی خاک پر نہ گھِسے تو کیا تعجب ہے[۲]۔

(۴۰)

(۱) اس کی عمر شام فراق کی بقدر دراز ہو آسمان نے بھی آج رات دعا کے لئے ستاروں کی تسبیحیں پھیری ہیں۔

(۲) دوست مستی سے بند قبا کھولے ہوئے خواب میں آیا ہے۔ معلوم نہیں آج رات میرے شوق نے اس پر کیا جادو کر دیا۔

(۳) غالبؔ افسانۂ ہجر کا مختصر کرنا اچھا ہے۔ جو کچھ آج شب دل میں رہ گیا ہے اس کو قیامت پر اٹھا رکھو۔

---

[۱] ترک وجود گیر سخن از سجود چیست ۔۔۔ بگذر ز طاعتے کہ بہ عصیاں برابر است

[۲] زاہد و ورزش سجود آہ ز دعوئ وجود ۔۔۔ تا نندا ہرمن زہش بدرقہ ملک نخواست

(۴۱)

(۱) هان آینه بگذار که عکسم نفریبد
نظارۂ یکتایی حق می کنم امشب

(۲) نازم سخنش را و نیابم دهنش را
خوش تفرقه در باطل و حق می کنم امشب

(۳) عمریست که قانون طرب رفت ز یادم
آموخته را باز سبق می کنم امشب

(۴۱)

(۱) آئینہ ہٹا دو تا کہ عکس مجھے فریب نہ دے سکے کیوں کہ آج رات میں یکتائی حق کے نظارے میں مصروف ہوں۔

(۲) میں دوست کی گفتگو پر قربان ہوں مگر اس کا دہن مجھے نظر نہیں آتا۔ آج رات مجھے حق و باطل میں امتیاز کا موقع ملا ہے (دوست کے سخن کو حق اور دہن کو باطل کہا ہے)

(۳) ایک عمر گزری کہ عیش و طرب کا قانون بھول گیا ہوں۔ آج رات آموختہ کو دوبارہ دُہرانے بیٹھا ہوں۔

ردیف "پ"

(۴۲)

(۱) تو محو خواب و سحر در تاسف از انجم
به پشت دست بدندان گزیدنست مخسپ

(۲) نشاط گوش بر آواز قلقل ست بیا
پیاله چشم براه کشیدنست مخسپ

(۳) نشان زندگی دل دویدنست مایست
جلای آیینہ چشم دیدنست مخسپ

(۴) بذکر مرگ شبی زنده داشتن ذوقیست
گرت فسانهٔ غالب شنیدنست مخسپ

—— ۰(۵)۰ ——

ردیف "پ"

(۴۲)

(۱) اے مخاطب! تو خوابِ غفلت میں محو ہے اور سحر افسوس کے عالم میں دانت سے اپنے ہاتھ کاٹ رہی ہے اب نہ سو (ستاروں کو دانت قرار دیا ہے)

(۲) آکہ نشاط قلقلِ مینا کی آواز پر کان لگائے ہے اور نہ سو کیوں کہ پیالۂ شراب دَور کا منتظر ہے۔

(۳) نہ رک کر دل کی زندگی کا نشان تگ و دَو ہے اور نہ سو کہ آئینہ چشم کی صیقلِ نظارہ پر موقوف ہے۔

(۴) موت کے ذکر میں ایک رات جاگ کر کاٹ دینا لطف سے خالی نہیں اگر تجھے غالبؔ کا فسانہ سننا منظور ہے تو نہ سو۔

ردیف "ت"

(۴۳)

(۱) حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ ست
آری کلام حق بہ زبانِ محمدؐ ست

(۲) آیینہ دار پرتوِ مہر ست ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ ست

(۳) تیرِ قضا ہر آینہ در ترکشِ حق ست
اما کشادِ آن ز کمانِ محمدؐ ست

(۴) دانی اگر بہ معنیِ لولاک وا رسی
خود ہر چہ از حق ست ازانِ محمدؐ ست

(۵) ہر کس قسم بدانچہ عزیز ست می خورد
سوگند کردگار بجانِ محمدؐ ست

(۶) واعظ حدیثِ سایۂ طوبیٰ فرو گذار
کاین جا سخن ز سرورِ وانِ محمدؐ ست

(۷) بنگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را
کان نیمہ جنبشی ز بنانِ محمدؐ ست

(۸) ور خود ز نقشِ مہرِ نبوت سخن رود
آن نیز نامور ز نشانِ محمدؐ ست

ردیف "ت"

(۴۳)

(۱) حضرت رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلعم کے طرزِ بیان سے حق آشکار ہے، کیوں نہ ہو جب کہ کلامِ حق (کلامِ خدا) آپؐ کی زبانِ مبارک پر جاری ہے۔

(۲) جس طرح چاند، سورج کے نور کا آئینہ دار ہے، اسی طرح خدا کی شان آنحضرتؐ کی شان سے جھلکتی ہے۔

(۳) بے شک تقدیر کا تیر حق تعالیٰ کے ترکش میں ہے لیکن وہ چھوٹتا ہے تو محمدؐ کی کمان سے۔

(۴) اگر تم لولاک کی حقیقت تک پہنچو تو معلوم ہو کہ جو کچھ خدا کا ہے وہ محمدؐ کا ہے۔

(۵) ہر شخص اس کی قسم کھاتا ہے جو اسے عزیز ہوتا ہے۔ دیکھو خدا نے قرآن میں اپنے حبیبؐ کی جان کی قسم کھائی ہے۔

(۶) اے واعظ طوبیٰ کے سایہ کا ذکر چھوڑ۔ کیوں کہ یہاں آں حضرتؐ کے سرو روان (قامت) کا چرچا ہو رہا ہے۔

(۷) ماہ کامل کے دو نیم ہونے پر نظر کرو کہ وہ آپ کی انگشت مبارک کی ادنےٰ جنبش کا کرشمہ تھا۔

(۸) اگر نقشِ مہرِ نبوت کی بات پوچھو تو اُس کی شہرت بھی آپ ہی کی عظمت کی رہینِ منت ہے

(۹) غالب ثنای خواجه به یزدان گذاشتم
کان ذات پاک مرتبه دانِ محمدؐ ست

(۴۴)

(۱) عمریست که می میرم و مردن نتوانم
در کشور بیداد تو فرمان قضا نیست

(۲) هفت اختر و نُه چرخ خود آخر به چه کارند
بر قتلِ من این عربده با یار روا نیست

(۳) عمری پیِ پری گشت و بهمان بر سر جورست
گویند بتان را که وفا نیست چرا نیست

(۴) جنت نکند چارۀ افسردگیِ دل
تعمیر باندازۀ ویرانی ما نیست

(۴۵)

(۱) حسن تو در حجاب ز شرم گناه کیست
جا بر کرشمه تنگ ز جوش نگاه کیست

(۲) ما با تو آشنا و تو بیگانه ای زما
آخر تو و خدا که جهانی گواه کیست

(۹) غالبؔ میں نے حضورؐ کی نعت خدا کے حوالے کی کیوں کہ وہی ذات پاک آپ کے مرتبہ دان ہے۔

(۴۴)

(۱) ایک عمر گذر گئی کہ مر رہا ہوں اور مر نہیں پاتا۔ شاید تیرے کشورِ ظلم میں قضا کا فرمان جاری نہیں ہے۔

(۲) دوستو! میرے قتل پر معشوق سے اس قدر الجھنا اچھا نہیں۔ سات ستارے اور نو آسمان آخر کس مصرف کے ہیں (کیوں ان کو الزام دیا جائے)

(۳) ایک عمر گذر گئی لیکن محبوب کی بیداد میں فرق نہیں آیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حسینوں میں وفا نہیں ہوتی 'کیوں نہیں ہوتی' (اگر وفا نہ ہوتی تو وہ اس پابندی کے ساتھ جفا نہ کرتا)

(۴) جنت سے ہمارے ویران دل کی افسردگی کا مداوا کیا ہوگا۔ یہاں تعمیر (جنت) تو ہے لیکن بقدرِ ویرانیِ دل نہیں[۱]۔

(۴۵)

(۱) کس کی گستاخی کی شرم سے تیرے حسن نے حجاب اختیار کر لیا۔ اور کس کے ہجومِ نظارہ سے تیرے ناز و کرشمے پر جگہ تنگ ہوگئی (یعنی کرشمہ و ادا کی نمائش موقوف ہوگئی)

(۲) ہم تیرے آشنا ہیں مگر تو ہم سے بے گانہ۔ تجھے خدا کی قسم بتا کہ دنیا کا فیصلہ کس کے حق میں ہے (تیرے حق میں یا ہمارے)

---

[۱] دیتے ہیں جنت حیاتِ دہر کے بدلے   نشہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے۔

(۳) رشک آیدم بر روشنی دیده های خلق
دانسته ام که از اثر گرد راه کیست

(۴) با من بخواب نازد و من از رشک بدگمان
تا عرصهٔ خیال عدو جلوه گاه کیست

(۵) بیخود بوقتِ ذبح تپیدن گناهِ من
دانسته دشنه تیز نه کردن گناه کیست

(۶) غالب حساب زندگی از سر گرفته است
جانا بمن بگو که غمت عمر کاه کیست

(۴۶)

(۱) در تابم از خیال که دل جلوه گاه کیست
داغم ز انتظار که چشمش براهِ کیست

(۲) از ناله خیزی دل سختش در آتشم
کاین سنگ پُر شرر ز هجوم نگاه کیست

(۳) چشمش پُر آب از تفِ مہر پری وشیست
من در گمان که از اثر دود آه کیست

(۳) مجھے اہل دنیا کی نظر کی روشنی پر رشک آتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ کس کی راہ کی گرد کا نتیجہ ہے۔

(۴) وہ میرے ساتھ خواب ناز میں ہے اور پھر بھی میں اس رشک سے بدگمان ہوں کہ کہیں وہ رقیب کے عرصۂ خیال میں جلوہ گر نہ ہو۔[ل]

(۵) ذبح ہوتے وقت بے خودی کے عالم میں تڑپنا، میرا قصور سہی مگر دیدہ و دانستہ خنجر تیز نہ کرنا کس کا قصور ہے۔

(۶) اے دوست تیرے غم عشق کو لوگ زندگی کا دشمن سمجھتے ہیں۔ یہاں غالب نے تو تیرے غم کی بدولت نئی زندگی پائی ہے۔

(۴۶)

(۱) میں اس خیال میں پیچ و تاب کھا رہا ہوں کہ میرا دل کس کی جلوہ گاہ ہے اور انتظار کے ہاتھوں بے چین ہوں کہ وہ (دل) کس کی راہ دیکھ رہا ہے۔[ع]

(۲) اس کے دل سخت سے نالہ ہائے آتشیں بلند ہو رہے ہیں اور میں یہ سوچ کر جل رہا ہوں کہ اس پتھر (دل محبوب) سے کس کے ہجوم نگاہ کے باعث چنگاریاں نکل رہی ہیں۔[ع]

(۳) اس کی آنکھیں کس پری وش کی محبت کی گرمی سے پُرآب ہیں اور میں اس گمان میں ہوں کہ یہ نہ جانے کس کے دودِ آہ کا اثر ہے۔

ل بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آکر تبسم ہائے پنہاں کا

(حاشیہ ع و ع آگے صفحہ ۶۱ پر دیکھیے)

(۴) ظالم تو و شکایت عشق این چه ماجراست
یاری بمن بگو که دلت دادخواه کیست

(۵) در خود گم ست جلوهٔ برقِ عتاب تو
این تیرگی به طالعِ مشتِ گیاه کیست

(۶) نیرنگِ عشق شوکتِ رعنائی تو برد
در طالع تو گردش چشمِ سیاه کیست

(۷) گوید ز عجز چون تو خدا ناشناس حیف
با چون خودی که داورگیتی گواه کیست

(۸) با این همه شکست درستی ادای اوست
رنگ رخت نمونهٔ طرف کلاه کیست

(۹) با تو به پند حرف به تلخی گناه من
با من بعشق غلبه به دعوی گناه کیست

(۱۰) غالب کنون که قبلهٔ او کوی دلبرست
کی می رسد بدین که درش سجده گاه کیست

(۴) ظالم تو اور عشق کی شکایت، یہ کیا ماجرا ہے۔ خدا کے لئے بتا کہ تیرا دل کس کا داد خواہ ہے۔

(۵) تیری برق عتاب کی تابش اپنے اندر سمٹ کر رہ گئی ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ تاریکی کس کی مشت گیاہ کے نصیب میں آئی ہے۔

(۶) عشق کے نیرنگ نے تیرے حسن کی شان و شوکت چھین لی۔ نہ جانے کس کی چشم سیاہ کی گردش تیرے طالع کی گردش بن گئی ہے۔

(۷) افسوس تجھ جیسا خدا ناشناس عاجز ہو کر یہ کہنے ہی جیسے ایک شخص سے کہے کہ خدا میری وفاؤں کا گواہ ہے۔

(۸) اس قدر شکست کے باوجود تیرے رنگ رخ کی اداؤں میں دل کشی ہے معلوم نہیں کہ تیرا رنگِ رُخ کس کے گوشۂ "کلاہ" کا نمونہ ہے (شکستہ ہونا اپنے بانکپن کے لئے مشہور ہے اور رنگِ رخ کا شکستہ ہونا رنگ اڑنے کے معنی میں آتا ہے)

(۹) تجھ کو تلخی کے ساتھ نصیحت کرنا میرا قصور سہی مگر مجھ سے عشق میں برتری کا دعوی کرنا کس کا قصور ہے۔

(۱۰) اب جب کہ کسی معشوق کی گلی اس کا (محبوب) قبلہ بن گئی ہے تو یہ کہنے کی کہاں گنجائش کہ اس کا در کس کی سجدہ گاہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص۵۹ ملاحظہ ہو)

ملک - کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے   پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

ملک - ان اشعار میں شاعر نے محبوب کا کسی دوسرے پر عاشق ہونا بیان کیا ہے۔

(۴۷)

(۱) در باده دیر مستم آری ز سخت جانیست
در غمزه زود رنجی آری ز نازنینیست

(۲) من سوی او به بینم دانند زبیحیاییست
او سوی من نه بیند دانم ز شرمگینیست

(۴۸)

(۱) دلم بعهد وفایی فریفت نامه سپار
خوشست وعدهٔ تو گرچه از زبان تو نیست

(۲) ز حق مرنج و درابروز خشم چین مفگن
خوشست رسم وفا گرچه در زبان تو نیست

(۳) روان فدای تو نام که برده ای ناصح
زهی لطافت ذوقیکه در بیان تو نیست

(۴) گمان زیست بود بر منت ز بیدردی
بدست مرگ دلی بدتر از گمان تو نیست

(۴۹)

(۱) ایکه گفتی غم درون سینه جان فرساست هست
حاشا کمشیم اما اگر دانی که حق با ماست هست

(۴۷)

(۱) میں شراب پی کر دیر میں مست ہوتا ہوں بے شک یہ میری سخت جانی کی بدولت ہے اور تو غمزہ کرنے میں جلد روٹھ جاتا ہے یقیناً یہ تیرے ناز کا اثر ہے۔

(۲) میں اس کی طرف نظر کرتا ہوں اور وہ اس کو بے حیائی سمجھتا ہے۔ وہ میری طرف نگاہ نہیں کرتا اور میں اس کو حیا کا نتیجہ خیال کرتا ہوں۔

(۴۸)

(۱) نامہ بر نے عہدِ وفا کا ذکر سنا کر میرا دل موہ لیا۔ تیرا وعدہ کتنا پیارا ہے گو تیری زبان سے نہیں ہے۔

(۲) سچی بات پر آزردہ ہونا اور تیوری چڑھانا کیسا۔ رسم وفا خوب ہے اگرچہ تیرے دور میں نہیں ہے۔

(۳) ناصح تیرے قربان جاؤں تو نے کس کا نام لیا۔ وہ کیسی لطافت ہوگی جو تیرے بیان میں نہیں ہے (یعنی تیرے بیان میں لطافت کہاں؟ یہ اس کے نام کا اثر ہے)

(۴) تیری بے دردی بے جواب تک تو مجھے زندہ سمجھتا ہے۔ موت ہزار بری سہی لیکن تیری بدگمانی سے بری نہیں۔

(۴۹)

(۱) تم کہتے ہو کہ غم سینے میں رہ کر جان لیوا ہو جاتا ہے۔ بے شک ایسا ہی ہے۔ ہم خاموش ہیں لیکن اگر یہ جانتے ہو کہ ہم حق پر ہیں تو یہ درست ہے۔

(۲) این سخن حق بود گاهی بر زبانِ ما رفت
چون تو خود گفتی که خوبان را دل از خاراست هست

(۳) دیده تا دل خون شدن کز غم روایت می کنی
گر بگویم کاین نخستین موج آن دریاست هست

(۴) دیدی آخر کانتقام خستگان چون می کشند
آنکه می گفتیم ما کامروز را فرداست هست

(۵) باری از خود گو که چونی در زمن پرسی بپرس
بخت ناسازت آری یار بی پرواست هست

(۶) خوی یارت را تو دانی ورنه از حسن و جمال
زلف عنبربوست دارد عارض زیباست هست

(۷) با چنین عشقیکه طوفان بلا می خوانیش
چون به بیتی کان شکوه دلبری برجاست هست

(۸) ره گذارت را دل و جان همچنان فرش ست هان
جلوه گاهت راز جان بازان همان غوغاست هست

(۵۰)

(۱) بی تکلف در بلا بودن به از بیم بلاست
قعر دریا سلسبیل و روی دریا آتشست

(۲) پاک خور امروز و تنها راز پی فردا منه
در شریعت باده امروز آب و فردا آتشست

(۲) جب تم خود کہتے ہو کہ حسینوں کا دل پتھر کا ہوتا ہے تو واقعی ایسا ہی ہے۔ یہ بات سچ تو تھی مگر اب تک ہماری زبان پر نہیں آئی تھی۔

(۳) غم کے بارے میں یہ کہتے ہو کہ آنکھ سے لے کر دل تک سب غرق خون ہو جاتے ہیں اگر میں یہ کہوں کہ یہ اس دریا (غم) کی پہلی موج ہے تو درست ہے[۱]

(۴) تم نے دیکھا کہ قدرت غریبوں کا انتقام کیوں کر لیتی ہے۔ وہ جو میں کہتا تھا کہ جو آج کرے گا وہ کل پائے گا۔ وہ ٹھیک تھا۔

(۵) ابھی بتاؤ کہ تم کس حال میں ہو اور اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو پوچھ لو۔ وہی مخالف تقدیر ہے جو پہلے تھی اور وہی بے پروا محبوب ہے کہ جو تھا۔

(۶) اپنے محبوب کی خصلت تم جانو جہاں تک حسن وجمال کا تعلق ہے زلف معنبر بھی ہے اور روئے منور بھی۔

(۷) اس عشق کے ہوتے ہوئے جس کو طوفان بلا کہتے ہو، اگر غور کرو تو تم میں وہی جلال دلبری ہے کہ جو پہلے تھا۔

(۸) تمہاری گلی میں دل وجان بدستور فرش راہ ہیں اور تمہاری جلوہ گاہ میں عشاق کا وہی ہنگامہ ہے کہ جو پہلے تھا۔

(۵۰)

(۱) وقت مصیبت ہونا مصیبت کے خوف کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔ گویا سمندر کی تہ سلسبیل ہے اور اس کی سطح آگ۔

(۲) آج سب پی لو اور کل کے لئے نہ رکھو۔ شریعت میں شراب آج پانی ہے اور کل آگ بن جائے گی۔

---

[۱] رگ و پے میں جب اترے زہرِ غم تب دیکھئے کیا ہو
ابھی تو تلخیٔ کام و دہن کی آزمائش ہے

(۵۱)

(۱) بخود رسیدنش از ناز بسکہ دشوارست
چو ما بدام تمنای خود گرفتارست

(۲) ستم کش سر ناموس جوی خویشتنم
کہ تا ز جیب برآمد بہ بند دستارست

(۳) بہ شب حکایت قتلم ز غیر می شنود
ہنوز فتنہ بذوقِ فسانہ بیدارست

(۴) بیا کہ فصل بہارست و گل بہ صحنِ چمن
کشادہ روی تر از شاہدانِ بازارست

(۵) غمم شنیدن و لختی بخود فرو رفتن
خوشا فریب ترحم چہ سادہ پرکارست

(۵۲)

(۱) توی فتادہ چو نسبت ادب مجو غالب
ندیدہ‌ای کہ سوی قبلہ پشت محرابست

(۵۳)

(۱) نازم نگہہ شرم کہ دلہا ز میان برد
زانسان کہ خود آں چشمِ فسون ساز ندانست

(۵۱)

(۱) محبوب کو فرطِ ناز سے اپنی حقیقت کو پانا بہت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہماری طرح اپنی تمنا کے دام میں گرفتار ہے۔

(۲) میرا سر سنگ دنام کا طالب ہے اور میں اس کے ستم سے تنگ آگیا ہوں کہ جب سے اسے (سر کو) گریبان سے اٹھایا ہے۔ دستار کی فکر میں سرگرداں ہے۔

(۳) وہ رات کو میرے قتل کی داستان رقیب سے سنتا ہے یوں سمجھو کہ فتنہ ہنوز افسانہ کے شوق میں بیدار ہے۔

(۴) آؤ کہ فصل بہار آگئی اور صحن چمن میں گل شاہدان بازاری سے زیادہ شگفتہ ہے۔

(۵) ترس کھانے کا فریب اور سادہ پرکاری تو دیکھو کہ محبوب نے میرے غم کی داستان سنی اور تھوڑی دیر کے لئے کھو سا گیا۔

(۵۲)

(۱) غالب جب کسی سے نسبت قوی ہو تو رسمی آداب کی توقع نہ رکھو۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خود محراب کی پشت قبلہ کی طرف ہوتی ہے۔

(۵۳)

(۱) اس کی نگاہ شرم کے قربان جائیے کہ اس طرح عاشقوں کے دل چھین لئے کہ خود اس کی چشم فسوں ساز کو خبر نہ ہوئی۔

(۲) ہمدم کہ ز اقبال نوید اثرم داد
اندوہ نگاہ غلط انداز ندانست

(۳) مخمور مکافات بہ خلد و سقر آویخت
مشتاق عطا شعلہ ز گل باز ندانست

(۴) غالب سخن از ہند برون بر کہ کس اینجا
سنگ از گہر و شعبدہ ز اعجاز ندانست

(۵۴)

(۱) ناچار با تغافل صیاد ساختم
پنداشتم کہ حلقۂ دام آشیانہ ایست

(۵۵)

(۱) ہر چہ فلک نخواستست ہیچکس از فلک نخواست
ظرف فقیہ می نجست بادۂ ما گزک نخواست

(۲) غرقہ بموجہ تاب خورد تشنہ ز دجلہ آب خورد
زحمت ہیچ یک نداد راحت ہیچ یک نخواست

(۲) ہمدم نے مجھے خوش بختی کی تاثیر کی بشارت تو دی، لیکن محبوب کی نگاہ غلط انداز کو جو تکلیف پہونچی اس سے وہ بے خبر ہے۔

(۳) جو لوگ مکافات کے نشے میں ہیں وہ بہشت و دوزخ کی بحث میں پڑے ہیں لیکن جو عطائے دوست کے مشتاق ہیں وہ شعلہ (دوزخ) اور گل (بہشت) میں فرق نہیں جانتے۔

(۴) غالبؔ اپنا کلام ہندوستان سے کہیں باہر لے جا کیوں کہ یہاں کوئی سنگ و گہر اور شعبدہ و معجزہ میں امتیاز نہیں کرتا۔

(۵۴)

(۱) میں نے مجبوراً صیاد کے تغافل سے نباہ کر لیا اور سمجھ لیا کہ حلقۂ دام آشیانے سے کم نہیں۔

(۵۵)

(۱) جو چیز آسمان نے انسان کے مقدر میں نہیں لکھی۔ انسان بھی آسمان سے طلب نہیں کرتا دیکھو واعظ کا ظرف شراب کا خواہاں نہیں اور ہماری شراب گزک کی محتاج نہیں۔

(۲) ایک طرف ڈوبنے والا موجوں کے اندر پیچ و تاب کھاتا ہے دوسری طرف پیاسا دریا سے پیاس بجھاتا ہے۔ پہلے نے کسی کو زحمت نہ دی (اپنی ہی جان پر کھیل گیا) اور دوسرے نے کسی کی راحت کی پرواہ نہ کی (اپنی ہی غرض کا خیال رکھا)

(۳) جاه ز علم بیخبر علم ز جاه بی نیاز
هم محک تو زر ندید هم زر من محک نخواست

(۴) شحنهٔ دهر بر ملا هر چه گرفت پس نداد
کاتب بخت در خفا هر چه نوشت حک نخواست

(۵) زاهد و ورزشش بسجود آه ز دعوی وجود
تا نزد اهرمن رهش بدرقهٔ ملک نخواست

(۶) بحث و جدل بجای مان میکده جوی کاندران
کس نفس از جمل نزد کس سخن از فدک نخواست

(۷) گشته در انتظار پور دیدهٔ پیر ره سفید
در ره شوق همرهی دیده ز مردمک نخواست

(۸) حسن چه کام دل دهد چون طلب از حریف نیست
خست نگاه گر جگر خسته ز لب نمک نخواست

(۹) رند هزار شیوه را طاعت حق گران نبود
لیک صنم بسجده در ناصیه مشترک نخواست

(۳) اہلِ جاہ علم سے بے خبر ہیں اور اہلِ علم جاہ سے بے نیاز۔ ایک کے پاس کسوٹی تو ہے مگر زر نہیں، دوسرے کے پاس زر ہے مگر کسوٹی کا طالب نہیں۔

(۴) زمانہ ایک ایسا شحنہ ہے کہ جو کچھ ہم سے چھینتا ہے واپس نہیں دیتا۔ اور نصیب ایک ایسا کاتب ہے کہ چھپ کر ہمارے بارے میں جو کچھ لکھتا ہے اس میں پھر ردو بدل نہیں کرتا۔

(۵) زاہد کو ہر گھڑی سجدہ سے کام ہے مگر مجھ کو اس کے دعویٰ وجود سے شکایت ہے۔ اگر شیطان اس کی راہ کھوٹی نہ کرتا تو فرشتوں سے رہبری کا طالب نہ ہوتا۔ ؎۱

(۶) بحث و تکرار چھوڑ اور میخانہ کی راہ لے کیونکہ وہاں کوئی جنگِ جمل کا ذکر نہیں کرتا، اور باغِ فدک کی بحث نہیں چھیڑتا۔ ؎۲

(۷) پیرِ راہ (حضرت یعقوبؑ) کی آنکھیں فرزند کے انتظار میں سفید ہو گئیں، در اصل شوق کی راہ میں آنکھوں نے پتلی کی رفاقت گوارا نہیں کی (یعنی پتلیاں وطن میں رہ گئیں اور پتلیوں کا نور حضرت یوسفؑ کی جستجو میں روانہ ہو گیا)

(۸) جب عاشق کی طرف سے تقاضا نہ ہو تو حسن کو کیا پڑی ہے کہ اس کے دل کی تمنا پوری کرے۔ اگر دوست کی نظر نے جگر کو زخمی کر دیا تو اس کا (عاشق) فرض تھا کہ لبِ دوست سے نمک مانگتا۔

(۹) رندِ ہزار شیوہ کو خدا کی عبادت سے انکار نہ تھا لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ بت سجدہ میں ایک مشترک پیشانی کو دیکھنا گوارہ نہیں کرتے۔

؎۱۔ ترکِ وجود گیر سخن از سجود چیست ۔۔۔ بگذر ز طاعتے کہ بعصیاں برابر ست
باچنیں شرم کہ از ہستی خویشش باشد ۔۔۔ غالب از رخ برہ دوست نباید چکب

؎۲۔ یہاں سنی شیعہ کے اختلافی مسائل کی طرف اشارہ ہے۔

(۵۶)

(۱) مالا غنیم گر کمر یار نازکست
فرقیست درمیانه که بسیار نازکست

(۲) دارم دلی ز آبله نازک نهاد تر
آهسته پا نهم که سر خار نازکست

(۳) زحمت کشید و آن مژه برگشت هم چنان
ما سخت جان و لذت آزار نازکست

(۴) از جلوه ناگداختن و روزنه ساختن
آیینه را به بین که چه مقدار نازکست

(۵) می رنجد از تحمّل ما بر جفای خویش
هان شکوه ایکه خاطر دلدار نازکست

(۵۷)

(۱) در کشاکش ضعفم نگسلد روان از تن
اینکه من نمی میرم هم زناتوانیهاست

(۲) از خمیدن پشتم روی بر قفا باشد
تا چها درین پیری حسرت جوانیهاست

(وہ نہیں چاہتے کہ جو سر ہمارے دَر پر جھکا وہ خدا کے حضور میں جھکایا جائے)

(۵۶)

(۱) اگر محبوب کی کمر نازک ہے تو ہم بھی لاغر ہیں۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ بہت نازک و دقیق ہے۔

(۲) میرا دل آبلے سے بڑھ کر نازک طبع ہے۔ میں اس خیال سے آہستہ آہستہ پاؤں رکھتا ہوں کہ نوک خار نازک ہے۔ (کہیں اس کو گزند نہ پہنچ جائے)

(۳) مژہ یار ہمیں چھیڑنے کے ارادے سے آئی۔ اور خود تکلیف اٹھا کر لوٹ گئی۔ وجہ یہ ہے کہ ہم ٹھیرے سخت جان اور لذت آزار نازک۔

(۴) آئینہ کی نزاکت (طنزاً) تو دیکھو کہ جلوۂ حسن کو دیکھ کر نہ پگھلا اور نہ شرمندہ ہوا۔

(۵) ہم دوست کی جفاؤں کو برداشت کرتے ہیں اور وہ ناراض ہوتا ہے (کیوں کہ اُس کو اس میں اپنی جفا کی سُبکی نظر آتی ہے) اے دل شکوہ و فریاد کر کیوں کہ خاطر دوست نازک ہے۔

(۵۷)

(۱) ضعف کی کشمکش میں میرے تن سے جان کا رشتہ نہیں ٹوٹتا۔ میں جو ہجر میں مرتا نہیں۔ یہ بھی میری ناتوانی کا اثر ہے۔

(۲) بڑھاپے میں کمر جھک گئی ہے اور نظر پیچھے کی طرف پڑ رہی ہے۔ دیکھو اس پیری میں مجھے جوانی کی کیسی حسرت ہے (کہ مڑ کر اس کو دیکھتا ہوں)

(۳) کشتۂ دل خویشم کز ستم گران یکسر
دید دل فریبیہا گفت مہربانیہاست

(۴) دایم از سر خاکم رخ نہفتہ بگذشتن
لان وہان خدا دشمن این چہ بدگمانیہاست

(۵) با عدو عتابستی در زنش حجابستی
وہ چہ دلربا یہاری چہ جانستانیہاست

(۶) با چنین تہیدستی بہرہ چہ بود از ہستی
کار ما ز سرمستی آستین فشانیہاست

(۷) ایکہ اندرین وادی مژدہ از ہما دادی
بر سرم ز آزادی سایہ را گرانیہاست

(۵۸)

(۱) داد از تظلمی کہ بہ گوشت نمی رسد
آہ از توقعی کہ وجودش نماندہ است

(۲) دل را بوعدۂ ستمی می توان فریفت
نازیکہ بر وفای تو بودش نماندہ است

(۳) دل جلوہ میدہد ہنر خود در انجمن
رحمی مگر بجان حسودش نماندہ است

(۳) میں اپنے دل کے ہاتھوں تنگ ہوں کہ وہ حسینوں کی دل فریبی دیکھتا ہے اور اس کو مہربانی سے تعبیر کرتا ہے۔

(۴) تو میری خاک سے ہمیشہ منہ چھپائے ہوئے گزرتا ہے۔ اے خدا دشمن آخر اس بدگمانی کی بھی کوئی حد ہے۔

(۵) اس کا رقیب پر عتاب ہے اور مجھ سے حجاب۔ اچھی ادا ہے کہ وہ اس کے ساتھ دل ربائی اور میرے ساتھ جاں ستانی کا معاملہ رکھتا ہے۔

(۶) اس ناداری میں زندگی کا کیا لطف ہے۔ اسی لئے ہم سرمستی کے عالم میں دنیا سے تعلق قطع کئے بیٹھے ہیں۔

(۷) تم اس وادی (دنیا) میں مجھے ہما کی آمد کی خوش خبری دے رہے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آزار روی کی بدولت میرے سر کو سایہ بھی گراں معلوم ہوتا ہے (ہُما کا سایہ ہی کیوں نہ ہو)

(۵۸)

(۱) اُس فریاد کی دہائی جو تیرے کان تک نہ پہونچے اور اس امید پر افسوس جس کا نام و نشان بھی باقی نہیں۔

(۲) دل کو تیری وفا پر ناز تھا وہ تو جاتا رہا۔ ہاں اس کو تیرے ستم کے وعدے پر بہلایا جا سکتا ہے۔

(۳) میرا دل آج بزم میں اپنے ہنر کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ شاید اس کو حاسدوں کی جان پر رحم نہیں آتا کہ وہ غریب حسد سے جل مریں گے)[۵]

---

۵ - حسد سزائے کمالِ سخن ہے کیا کیجے   ستم بہائے متاعِ ہنر ہے کیا کہئے

(۴) دل در غمِ تو مایہ بہ رہزن سپردہ ایست
کار از زیان گذشتہ و سودش نماندہ است

(۵) غالب زبان بریدہ و آگندہ گوش نیست
اما دماغ گفت و شنودش نماندہ است

(۵۹)

(۱) عہدِ وفا ز سوی تو نا استوار بود
بشکستی و ترا بہ شکستن گزند نیست

(۲) بیخود بزیر سایۂ طوبیٰ غنودہ اند
شبگیر رہ روان تمنا بلند نیست

(۶۰)

(۱) رنج و راحت بر طرف شاہد پرستانیم ما
دوزخ از سرگرمیِ نازش عتابی بیش نیست

(۲) قطرہ و موج و کف و گرداب جیحون ست و بس
این من و ما بیکہ میبالد حجابی بیش نیست

(۳) خویش را صورت پرستان ہرزہ رسوا کردہ اند
جلوہ بینا مند و در معنی نقابی بیش نیست

(۴) تیرے عشق میں دل نے اپنا سرمایہ رہزن کے حوالے کر دیا۔ سود تو درکنار اب زیان کی بھی گنجایش نہیں رہی۔

(۵) غالبؔ منہ میں زبان بھی رکھتا ہے اور سماعت سے بھی معذور نہیں ہے۔ مگر کیا کیجیے کہ اس کو اب گفت و شنید کا دماغ ہی نہیں رہا۔

(۵۹)

(۱) تو نے جو عہدِ وفا باندھا تھا وہ پہلے ہی بودا تھا، تو نے اس کو توڑا اور توڑنے میں تجھے کوئی زحمت نہیں ہوئی۔ عله

(۲) وادیِ تمنا کے مسافروں کا سفر اب شاید ختم ہو گیا جو وہ سایۂ طوبیٰ کے نیچے بے خبر پڑے سو رہے ہیں (یعنی اہلِ ظاہر کا مقصود حصولِ جنت ہے اور کچھ نہیں)

(۶۰)

(۱) رنج و راحت سے کیا واسطہ۔ ہم تو شاہد پرست ہیں اور ہمارے نزدیک دوزخ محبوب کی گرمیِ ناز کے معمولی عتاب سے زیادہ نہیں۔

(۲) قطرہ ہو یا موج۔ کف ہو یا گرداب۔ سب دریا ہی دریا ہے یہ من و ما (تعینات) جو نظر آتے ہیں۔ حجاب سے زیادہ نہیں۔

(۳) ظاہر پرستوں نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو رسوا کیا ہے ورنہ جس کو وہ جلوہ کہتے ہیں وہ حقیقت میں نقاب کے سوا کچھ نہیں۔

عله تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا۔ کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

(۴) نامه بر از پیش گاه از مکتوب مرا،
پاسخی آورده است اما جوابی بیش نیست
جلوه کن منت منه از ذره کمتر نیستم
حسن با این تابناکی آفتابی بیش نیست

(۶۱)

(۱) عقل در اثبات وحدت خیره می گردد چرا
هر چه جز هستیست هیچ و هر چه جز حق باطل ست

(۶۲)

(۱) هم وعده وهم منع ز بخشش چه حسابست
جان نیست مکرر نتوان داد شرابست

(۲) در مژده زجوی عسل و کاخ زمرد
چیزیکه بدل بستگی ارزدمی نابست
(۳) از جلوه بهنگامه شکیبا نتوان شد
لب تشنهٔ دیدار ترا خلد سرابست

(۴) قاصد بزم ناز سے میرے خط کا جواب لایا تو ہے مگر جواب نگار کے سو کچھ نہیں۔

(۵) اے دوست جلوہ دکھا اور مجھ پر احسان نہ رکھ۔ میں ذرّے سے گیا گزرا نہیں ہوں اور حسن اپنی تابانی کے ساتھ آفتاب سے زیادہ نہیں۔ (یعنی آفتاب ذرے کے رو برو جلوہ نمائی سے گریز نہیں کرتا)

(۶۱)

(۱) عقل وحدت کے اثبات میں عبث حیران ہے جو کچھ ہستی کے سوا ہے ہیچ ہے اور جو کچھ حق کے سوا ہے وہ باطل ہے۔

(۶۲)

(۱) (آخرت میں) شراب کا وعدہ بھی کرنا اور (شراب پینے پر) بخشش سے انکار بھی کرنا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اگر مرکر دوبارہ جان عطا نہیں ہو سکتی تو خیر شراب ہی مل جائے

(۲) شہد کی نہر اور زمرد کے محل (جنت) کی بشارت میں جو چیز میرے دل کو کھینچتی ہے وہ شراب ناب ہے[1]

(۳) جلوے کے ہوتے ہوئے ہنگامے پر قناعت کرنا غیر ممکن ہے جو تیرے دیدار کے پیاسے ہیں ان کے لئے جنت کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں۔

---

[1] وہ چیز جس کے لئے ہم کو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام مشک بو کیا ہے

(۴) با این همه دشوار پسندی چه کند کس
تا پرده بر انداخته در بند حجابست

(۶۳)

(۱) ریگ در بادیهٔ عشق روانست هنوز
تا چها پای درین راه به فرسودن رفت

(۶۴)

(۱) گر بار نیست سایهٔ خود از بید بوده است
باری بگو که از تو چه امید بوده است
(۲) شبها کند ز روی تو دریوزهٔ ضیا
مه کاسهٔ گدائی خورشید بوده است

(۶۵)

(۱) یار در عهدِ شبابم بکنار آمد و رفت
همچو عیدیکه در ایام بهار آمد و رفت
(۲) طالع بسمل ما بین که کماندار زنی
پارهٔ بر اثر خون شکار آمد و رفت
(۳) هرزه مشتاب و پی جاده شناسان بردار
ایکه در راهِ سخن چون تو هزار آمد و رفت

(۲) اس مشکل پسندی سے کوئی کیوں کر نجات پائے کہ دوست نے جب سے پردہ اٹھایا ہے۔ برابر حجاب ہی میں ہے۔ لہ

(۶۳)

(۱) صحرائے عشق میں ریگ ہنوز رواں ہے معلوم نہیں کہ کتنے پاؤں اس راہ میں گھس چکے ہیں۔

(۶۴)

(۱) اے دوست اگر بید میں پھل نہ سہی، سایہ تو ہوتا ہے۔ مگر بتا کہ تجھ سے آخر کیا توقع رکھی جائے۔

(۲) چاند آفتاب کے ہاتھ میں کاسۂ گدائی ہے کہ راتوں کو اس بہانے تیرے رخسار سے روشنی کی بھیک مانگے۔

(۶۵)

(۱) محبوب عہد شباب میں میرے آغوش میں آیا اور چلا گیا۔ عید کی طرح جو بہار کے زمانہ میں آئے اور چلی جائے۔

(۲) بسمل کی قسمت تو دیکھو کہ صیاد تھوڑی دور تک شکار کے خون کے نشان پر آیا اور چلا گیا۔

(۳) اے شخص کہ شعر و سخن کی راہ میں تجھ جیسے ہزاروں آئے اور چلے گئے غلط راہ اختیار نہ کر اور جادہ شناسوں کے نقش قدم پر چل۔

لہ جب وہ جمالِ دل فروز صورتِ مہرِ نیم روز آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں منہ چھپائے کیوں

(۴) هله غافل زبهاران چه طمع داشتهٔ
گیر کامسال برنگینی یار آمد و رفت

(۶۶)

(۱) اختری خوشتر از نیم بجهان می بایست
خردپیر مرا بخت جوان می بایست

(۲) به زمینیکه بآهنگ غزل بنشینم
خاک گلبوی و هوا مشک فشان می بایست

(۳) برنتابم بسبو باده ز دور آوردن
خانهٔ من بسر کوی مغان می بایست

(۶۷)

(۱) دردلش جویی و در دیر و حرم نشناسی
تا چه رو داد که در زاویه پنهان شده است

(۲) گفتم البته زمن شاد بمردن گردی
گفت دشوار که مردن بتو آسان شده است

(۳) دُرد روغن بچراغ و کدرمی با یاغ
تا خود از شب چه بجا ماند که مهمان شده است

(۴) شاهد می زمیان رفته و شادم بسخن
کشته ام بید درین باغ که ویران شده است

(۳) غافل بہار سے تو نے فضول امیدیں باندھ رکھی ہیں۔ یہ سمجھ لے کہ بہار اِس سال بھی سالِ گذشتہ کی رنگینیوں کے ساتھ آئی اور رخصت ہوگئی۔

(۶۶)

(۱) دنیا میں مجھے موجودہ حالت سے بہتر طالع چاہیے تھا۔ مانا کہ میری عقل پیروں کی سی ہے مگر مجھے تو بختِ جواں درکار تھا۔

(۲) جس سرزمین پر میں غزل کا آہنگ چھیڑوں اس کی خاک معطر اور ہوا مشک فشاں ہونا چاہیے تھی[1]۔

(۳) شب میں دُور سے شراب لانا مجھے شاق ہے۔ میرا گھر تو کوئے مُغاں میں ہونا چاہیے تھا۔

(۶۷)

(۱) تو دوست کو دل میں ڈھونڈھتا ہے اور دیر و حرم میں اس کو نہیں پہچانتا۔ آخر کیا سبب ہے کہ وہ گوشۂ (دل) میں چھپ گیا ہے۔

(۲) میں نے پوچھا کہ کیا تو میرے مرنے پر مجھ سے راضی ہوگا۔ اس نے جواب دیا یہ دشوار ہے کیوں کہ مرنا تیرے لیے آسان ہوگیا ہے۔

(۳) چراغ میں تیل کی گاد اور ساغر میں شراب کی تلچھٹ رہ گئی ہے۔ خود رات بھی اب کتنی رہ گئی ہے جب کہ دوست میرے گھر مہمان ہوکر آیا ہے۔

(۴) مے اور معشوق اب کہاں۔ پھر بھی میں اپنے کلام سے دل خوش کرلیتا ہوں۔ گویا اس باغ میں جو ویران ہوچکا ہے میں نے بید لولیا ہے

---

[1] موجد ... گرم غزل خوانی نفس ... [illegible]

(۶۸)

(۱) فغان که برق عتاب تو آنچنانم سوخت
که راز در دل و مغز اندر استخوانم سوخت

(۲) شنیده‌ای که بآتش نسوخت ابراهیم
ببین که بی شرر شعله می توانم سوخت

(۳) شرار آتش زردشت در نهادم بود
که هم بداغ مغان شیوه دلبرانم سوخت

(۶۹)

(۱) گفتم بروزگار سخنور چو من بسیست
گفتند اندرینکه تو گفتی سخن بسیست

(۲) معنی غریب مدعی و خانه زاد ماست
هرجا عقیق نادر و اندر یمن بسیست

(۳) مشکین غزاله ها که نه بینی بهیچ دشت
در مرغزارهای ختا و ختن بسیست

(۴) در صفحه نبودم همه آنچه در دلست
در بزم کمترست گل و در چمن بسیست

(اپنے کلام کو جس سے کوئی نفع نہیں بیدقرار دیا ہے)

(۶۸)

(۱) فریاد کر تیرے عتاب کی برق نے مجھے اس قدر جلادیا کہ راز دل میں اور مغز استخواں میں جل کر رہ گئے

(۲) تم نے سنا ہوگا۔ کہ حضرت ابراہیمؑ آگ میں نہیں جلے۔ مجھے دیکھو کہ شرر و شعلہ کے بغیر جل سکتا ہوں۔

(۳) میری فطرت میں آتش زردشت کے شرار چھپے ہوئے تھے کہ آخر جلا بھی تو مغان شیوہ حسینوں کے داغ عشق سے۔

(۶۹)

(۱) میں نے کہا کہ دنیا میں مجھ جیسے سخن ور بہت ہیں (اہل نظر نے) کہا کہ یہ بات جو تم کہتے ہو ہم کو اس میں کلام ہے۔

(۲) بلند مضامین مدعیوں کے لئے بے گانہ ہیں اور میرے لئے خانہ زاد۔ جس طرح عقیق ہر جگہ کم یاب لیکن یمن میں بہ افراط ہے۔

(۳) مشکین غزال جو ہر دشت و صحرا میں نہیں ملتے۔ خطا و ختن کے مرغزاروں میں بکثرت ہیں۔

(۴) تمام وہ افکار جو میرے دل میں ہیں صفحہ قرطاس پر نہیں آ سکتے۔ پھول صحرا میں کم سہی لیکن چمن میں کثرت سے ملتے ہیں (اسی طرح میرے خیالات کاغذ پر کم منتقل ہو سکے۔ دل میں زیادہ رہ گئے)

(۵) تاثیر سحر آه و نالہ مسلّم ولی مترس
مارا ہنوز عمر بدہ با خویشتن بسیت

(۶) غالب نخورد چرخ فریب ار ہزار بار
گفتیم بروزگار سخنور چو من بسیت

(۷۰)

(۱) چو صبح من ز سیاہی بہ شام مانندست
چگویمیم کہ ز شب چند رفت یا چندست

(۲) بہ رنج از پی راحت نگاہ داشتہ اند
ز حکمتست کہ پای شکستہ در بندست

(۳) دراز دستی من چاکی از فگند چہ عیب
ز بیش دلق ورع با ہزار پیوندست

(۴) نہ گفتہ ام کہ بہ تلخی بسازو پند پذیر
کہ بادۂ ما تلخ تر ازین پندست

(۵) نگاہ مہر بدل سر نداد چشمۂ نوش
ہنوز نیش بہ اندازۂ شکر خندست

(۶) ز بیم آنکہ مبادا بمیرم از شادی
نگویدار چہ بمرگ من آرزومندست

(۵) ہمارے آہ و نالہ کی تاثیر مسلم لیکن اے دوست اس سے نہ ڈر، ہمیں اپنی ذات سے بہت نزاع باقی ہے (دوسروں سے کیا نزاع کریں)

(۶) غالبؔ اگرچہ میں نے ہزار بار کہا کہ دنیا میں مجھ جیسے سخن ور بہت ہیں لیکن آسمان نے میرے اس کہنے پر دھوکہ نہ کھایا۔

(۷۰)

(۱) جب میری صبح تاریکی میں شام سے مشابہ ہے تو مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ رات کتنی گذری یا کتنی باقی ہے۔

(۲) قدرت نے اگر رنج دیا ہے تو اس کے بعد راحت بھی مقدر ہے۔ ٹوٹا ہوا پاؤں اگر پٹی سے بندھا ہے تو حکمت سے خالی نہیں۔

(۳) اگر میری دست درازی نے زاہد کی گدڑی پھاڑ دی تو کیا مضائقہ۔ اس میں تو پہلے سے ہی ہزار پیوند لگے ہوئے تھے (یعنی زاہد اسے خود چاک کر چکا تھا مگر ریاکاری سے پیوند لگا کر اس کا عیب چھپاتا تھا)

(۴) ناصح کیا تو نے نہیں کہا تھا کہ تلخی برداشت کر اور نصیحت مان جا۔ جا کہ ہماری شراب تیری نصیحت سے بھی زیادہ تلخ ہے۔

(۵) ایسا کبھی نہیں ہوا کہ دوست کی نگاہِ لطف سے میرے دل میں چشمہ حیات (نشاط) جاری ہوتا۔ ابھی عیش بقدرِ تبسم ہی میرے حصہ میں آیا ہے

(۶) اگرچہ وہ (محبوب) میرا مرنا چاہتا ہے لیکن اس قدر سے مجھ سے کہتا نہیں کہ کہیں میں شادی مرگ نہ ہو جاؤں (میری اتنی خوشی بھی اس کو گوارا نہیں ہے)

(۷) شمار کج روی دوست در نظر دارم
درین نورد ندانم که آسمان چندست

(۸) اگر نه بهرِ من از بهرِ خود عزیزم دار
که بندهٔ خوبی او خوبی خداوندست

(۹) نه آن بود که وفا خواهد از جهان غالب
بدینکه پرسد و گوید هست خرسندست

(۷۱)

ایکه دلت ز غصّه سوخت شکوه نه درخور وفاست
در سزد آنکه سرکنی گیر که سرسری گرفت

(۷۲)

(۱) در عرض غمت پیکر اندیشهٔ لالم
پا تا سرم اندازِ بیانست و بیان نیست

(۲) نازم به فریبیکه دہی اہل نظر را
کز بوسه پیامی بدہانست و دہان نیست

(۳) داغیم ز گلشن که بہارست و بقا ہیچ
شادیم بگلخن که خزانست و خزان نیست

(۷) میں تو دوست کی کج روی کے شمار کرنے میں لگا رہتا ہوں۔ مجھے کیا خبر آسمان کتنے ہیں (آسمان کی کج روی مشہور ہے مگر مجھے آسمان سے کیا غرض!)

(۸) میری خاطر سے نہ سہی مجھے اپنی خاطر سے عزیز رکھ۔ کیوں کہ نوکر کی عزت آقا کی عزت ہے۔

(۹) ایسا نہیں ہے کہ غالب دنیا سے وفا کا خواہاں ہے۔ وہ بس اس پر راضی ہے کہ پوچھے کہ آیا وفا ہے اور لوگ کہیں کہ "ہاں ہے"

(۷۱)

(۱) اے غم و غصہ سے جلنے والے شکوہ کرنا اہل وفا کا شیوہ نہیں۔ اور اگر شکوہ کرنا ہی ہے تو سمجھ لے کہ اس (محبوب) نے اس کان سنا اور اس کان اڑا دیا۔

(۷۲)

(۱) تیرے غم عشق کے اظہار میں میری مثال ایک گونگے شخص کے خیال کی سی ہے کہ میں قوت بیان نہ ہوتے ہوئے بھی ہمہ تن بیان بن گیا ہوں۔

(۲) تونے اہل نظر کو جو فریب دے رکھا ہے میں اس پر صدقے ہوں کا دہن نہ ہونے کے باوجود تو ان کو بوسۂ دہن کا پیام دیتا ہے۔

(۳) میں گلشن کو دیکھ کر جلتا ہوں کہ وہاں بہار ہے مگر اس کو بقا نہیں۔ اور گلخن کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں جو سراپا خزاں ہے اور پھر بھی خزاں نہیں۔

(۴) سرمایۂ ہر قطرہ کہ گم گشت بہ دریا
سودیست کہ مانا بزیانست و زیان نیست

(۵) در ہر مژہ برہم زدن این خلق جدیدست
نظارہ سگالد کہ ہمانست و ہمان نیست

(۶) در شاخ بود موج گل از جوش بہاران
چون بادہ بہ مینا کہ نہانست و نہان نیست

(۷) پہلو بشگافید و بہ بینید دلم را
تا چند بگویم کہ چسانست و چسان نیست

(۷۳)

(۱) دل برد و حق آنست کہ دلبر نتوان گفت
بیداد توان دید و ستمگر نتوان گفت

(۲) در رزم گہش ناچخ و خنجر نتوان برد
در بزم گہش بادہ و ساغر نتوان گفت

(۳) رخشندگی ساعد و گردن نتوان جست
زیبندگی یارہ و پرگر نتوان گفت

(۴) قطرہ کا دریا میں گم ہوجانا ہی دراصل ایسا سود (نفع) ہے جو زیان سے مشابہ ہے مگر دراصل زیان نہیں ہے۔ لہ

(۵) جہاں پلک جھپکی ایک عالم نو وجود میں آگیا اور لطف یہ ہے کہ دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ یہ وہی عالم ہے جو کچھ دیر پہلے تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

(۶) بہار کے جوش سے شاخ میں (جہاں ابھی گل نمودار نہیں ہوا) موج گل ہوتی ہے اس کی مثال شیشہ میں شراب کی سی ہے کہ پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی۔

(۷) میرا پہلو چیر کر دل کی حالت دیکھ کہ میں کب تک بتاؤں کہ وہ غریب کیسا ہے اور کیسا نہیں۔

(۷۳)

(۱) معشوق دل چھین لے گیا۔ اور حق یہ ہے کہ اس کو دل بر کہتے نہیں بنتی۔ ہم برابر اس کے ستم دیکھتے ہیں لیکن ستم گر کہنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

(۲) اس کی گلی ایک ایسی رزم گاہ ہے جس میں نیزہ و خنجر کا کام نہیں۔ اور اس کا مسکن ایک ایسی بزم گاہ ہے جہاں بادہ و ساغر کا نام نہیں لے سکتے۔

(۳) ہماری جرأت نہیں کہ اس کی کلائی اور گردن کے حسن کی جستجو کریں اور اس کے کنگن اور طوق کی زیبائش کا ذکر چھیڑیں۔

لہ عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا   درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

(۴) پیوسته دہ بادہ و ساقی نتوان خواند
ہموارہ ترا شد بت و آزر نتوان گفت

(۵) از حوصلہ یاری مطلب صاعقہ تیز ست
پروانہ شو اینجا ز سمندر نتوان گفت

(۶) ہنگامہ سر آمد چہ زنی دم ز تظلم
گر خود ستمی رفت بمحشر نتوان گفت

(۷) در گرم روی سایہ و سرچشمہ نجوییم
با ما سخن از طوبی و کوثر نتوان گفت

(۸) آن راز کہ در سینہ نہانست نہ وعظ ست
بر دار توان گفت و بمنبر نتوان گفت

(۹) کاری عجب افتاد بدین شیفتہ مارا
مومن نبود غالب و کافر نتوان گفت

(۷۴)

(۱) خواست کز ما رنجد و تقریب رنجیدن نداشت
جرم غیر از دوست پرسیدیم و پرسیدن نداشت

(۴) وہ اہل بزم کو برابر شراب دیتا ہے تاہم اس کو ساقی کہہ کر پکارنا دشوار ہے۔ اور وہ ہمیشہ بت تراشتا ہے پھر بھی اس کو آزر کہنا مشکل ہے (شراب سے شراب حسن اور بت سے معشوق کی کافراوانی مراد ہے)

(۵) اے مخاطب اس کی برق حسن غضب کی ہے جس کے روبرو پائیداری کا حوصلہ بے سود ہے۔ یہاں پروانہ بن جا اور سمندر رہنے کا دعویٰ نہ کر۔ (سمندر ایک جانور جو آگ میں رہتا ہے)

(۶) جب ہنگامہ ختم ہوگیا تو فریاد سے کیا فائدہ۔ اگر ہم پر لوذ ظلم گذرا بھی ہے تو محشر میں شکوہ نہیں کر سکتے۔ ؎

(۷) ہم سفر کی عجلت میں سائے اور چشمے کے طالب نہیں۔ ہم سے طوبیٰ اور کوثر کا ذکر بے سود ہے (کیوں کہ ہم کو آگے جانے کی جلدی ہے)

(۸) جو اسرار کہ میرے سینہ میں پوشیدہ ہیں ان کو پند و وعظ نہ سمجھو۔ ان کو میں دار پر تو کہہ سکتا ہوں مگر منبر پر نہیں کہہ سکتا۔

(۹) ہمیں غالبؔ جیسے دیوانے سے عجب سابقہ پڑا ہے کہ نہ تو وہ مومن ہی ہے اور نہ اس کو کافر ہی کہہ سکتے ہیں۔

(۷۴)

(۱) دوست ہم سے روٹھنا چاہتا تھا مگر روٹھنے کا کوئی بہانہ نہیں ملتا تھا۔ ہماری نادانی دیکھئے کہ ہم اس سے رقیب کا قصور پوچھ بیٹھے۔ حالانکہ پوچھنا بے محل تھا۔

؎ سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالبؔ خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے۔

(۲) آمد از تنگی جا جبهہ پرچین کرد و رفت
برخود از ذوق قدوم دوست بالیدن نداشت

(۳) گل فرادان بود و می پر زور دوشم بر بساط
خود بخود پیمانہ میگردید و گردیدن نداشت

(۴) گرمنافق وصل ناخوش ور موافق ہجر تلخ
دیدہ داغم کرد روی دوستان دیدن نداشت

(۵) بُرد آدم از امانت ہرچہ گردون بر نتافت
ریخت می برخاک چون در جام گنجیدن نداشت

(۶) گر نیم آزاد خود را در تعلق باختم
سود زیر کوہ دامانیکہ برچیدن نداشت

(۷۵)

(۱) ترا کہ موجۂ گل تا کمر بود دریاب
کہ غرق خون بدر بوستان سرای تو کیست

(۲) تراست جلوہ فراوان درین بساط ولی
حریف بادۂ میخوارہ آزمای تو کیست

(۲) وہ آیا اور جگہ کی تنگی دیکھ کر تیوری چڑھائی اور واپس چلا گیا۔ کیا کیا جائے یہ ایسا موقع تھا کہ دوست کی آمد کی خوشی میں ہم جامے میں پھولے نہ سماتے مگر ایسا نہ کر سکے۔

(۳) کل رات محفلِ عیش میں پھول بافراط تھے اور شراب تُند۔ پیمانۂ شراب خود بخود گردش کر رہا تھا۔ حالانکہ خود بخود گردش نہیں کرتا۔

(۴) بینائی کا برا ہو کہ احباب کا منہ دیکھنا پڑا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جو ریاکار ہیں ان کی ملاقات تکلیف دہ ہوتی ہے اور جو مخلص ہیں ان کی جدائی ناگوار۔

(۵) آدم نے وہ امانت اٹھائی جو آسمان کی طاقت سے باہر تھی گویا جام میں شراب کا سمانا دشوار تھا۔ اس لئے تاک پر گر گئی (آسمان کو جام، امانتِ الٰہی کو شراب اور انسان کو خاک کہا ہے)

(۶) مانا کہ میں آگاہ نہیں پھر بھی علائق میں رہ کر میں نے اپنے کو کھو دیا یوں کہئے کہ میں دامن کو سمیٹ نہ سکا وہ پہاڑ کے نیچے دب کر گھس گیا۔

(۷۵)

(۱) اگرچہ تو کمر تک موجِ گل میں غرق ہے لیکن ذرا یہ بھی دیکھ لے کہ تیری بوستان سرائے کے دروازے پر کون ہاتھ میں ڈوپٹا لئے

(۲) تیرے جلوے کی زیادتی مسلم۔ لیکن اس سے مرد افگن کا حریف کون بن سکتا ہے[۱]

---

[۱] کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

(۳) زوار شان شهیدان هراس یعنی چه
تو لیست دست قضا کشتهٔ ادای تو کیست

(۴) بانتظار تو در پاس وقت خویشتنم
فریب خوردهٔ نیرنگ وعدهای تو کیست

(۵) ترا از اہل ہوس ہر یکی بجای منست
تو و خدای تو تا شاہم مرا بجای تو کیست

(۶) فرشتہ معنی من ربک نمی فہمم
بمن بگوی کہ غالب بگو خدای تو کیست

(۷۶)

(۱) بہ وادیکہ در آن خضر را عصا خفت ست
بہ سینہ می سپرم رہ اگرچہ پا خفت ست

(۲) بہ صبح حشر چنین خستہ رو سیہ خیزد
کہ در شکایت دردِ غم دوا خفت ست

(۳) ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفان خیز
گسستہ لنگر کشتی و ناخدا خفت ست

(۴) غمت بہ شہر شبیخون زنان بہ بنگہ خلق
عسس بخانہ و شہ در حرم سرا خفت ست

(۵) دلم بہ سبحہ و سجادہ و ردا لرزد
کہ دزد مرحلہ بیدار و پارسا خفت ست

ردیف "ج"

(۹۰)

(۱) جب دوست کی رہ گزر میں خاک ہوجانا ممکن ہے تو کیا ضرورت کہ ہم خاک راہ پر پیشانی گھستے رہیں۔

(۲) ہمارا سیاہ اور سفید سب کسی اور (خدا) کے ہاتھ میں ہے اس صورت میں دن رات کی گردشوں سے الجھنا بے کار ہے۔

(۹۱)

(۱) میں جلوے کا طالب ہوں اے دوست شعلۂ آتش بن جا اور میری مرضی کی پروا نہ کر اپنا مقدر دیکھ اور میرے مقصود سے قطع نظر کر۔

(۲) اگر خود تیرا جذبۂ محبت محرک ہو تو اپنے مشتاقوں کی مراد ضرور پوری کر ورنہ ہماری خوشنودی میں تقدیر کی بالادستی کی بحث نہ چھیڑ۔

(۳) اے میری نعش اٹھانے والے میں سمجھتا ہوں کہ تو میرا ہی آدمی ہے خون بہا بھی چھوڑ، بتا کہ تیرے پاس قاتل کی زحمت کا معاوضہ کیا ہے۔

(۴) دشمن کی موت ہماری دعا کی تاثیر سے واقع نہیں ہوئی بلکہ ایسا ہوا کہ وہ غم دل کے معاملہ میں ہماری نالہ وزاری دیکھ کر شادی مرگ ہوگیا۔

(۵) تمام آرزوئیں مٹ گئیں۔ ایسی حالت میں ہمارے عیش لازوال کا کیا پوچھنا۔ دنیا والوں کی آنکھیں بصارت سے محروم ہیں اس صورت میں ہماری جنس ہنر کی کساد بازاری کا کیا ذکر۔

ردیف چ

(۹۲)

(۱) ای حسن گر از راست نرنجی سخنی هست
ناز این همه یعنی چه کمر هیچ و دهان هیچ

(۲) غالب ز گرفتاری اوهام برون آی
بالله جهان هیچ و بد و نیک جهان هیچ

(۹۳)

(۱) موجه از دریا شعاع از مهر حیرانی چراست
محو اصل مدعا باش و بر اجزایش مپیچ

(۲) آسمان و هست از برجیس و کیوانش مگوی
نقش ما هیچ ست بر پنهان و پیدائش مپیچ

(۳) پیش ازین کز بود اینهم التفاتی بوده است
این قدر بر خود ز رنجشهای بیجایش مپیچ

ردیف چ

(۹۲)

(۱) اے حسن اگر تو سچی بات کا برا نہ مانے تو ایک بات کہوں جب کمر اور دہن دونوں معدوم ہیں تو اس قدر ناز کا ہے پر؟

(۲) غالب وہم میں کیوں گرفتار ہے خدا کی قسم یہ جہاں بھی ہیچ اور اس کے نیک و بد سب ہیچ ہیں۔

(۹۳)

(۱) موج دریا سے اور شعاع آفتاب سے الگ نہیں۔ پھر حیرت کس بات کی۔ اے مخاطب اصل مدعا نیست میں گم ہوجا اور اس کے (مدعا کے) اجزا سے سروکار نہ رکھ۔

(۲) آسمان سراپا توہم ہے اس کے مشتری و زحل کا ذکر چھوڑ۔ ہمارا وجود ہیچ ہے اس کے ظاہر و باطن سے واسطہ نہ رکھ۔

(۳) اے مخاطب! دوست کی رنجش بے جا کی اس قدر شکایت نہ کر یہ بھی یک گونہ التفات ہے آخر اس سے پہلے کب تھی۔

ردیف "د"

(۹۴)

(۱) بمن گرای و وفا جو که ساده برہمنم
بسنگ ہر که دہد دل بغمزہ چون نہ دہد

(۹۵)

(۱) بہ بند پرسش حالم نمی‌توان افتاد
توان شناخت ز بندیکه بر زبان افتاد

(۲) فغان من دل خلق آب کرد ورنہ ہنوز
نگفته‌ام که مرا کار با فلان افتاد

(۳) من آن نیم که بتانم کنند دلجوئی
خوشم ز بخت که دلدار بدگمان افتاد

(۹۶)

(۱) زما گرمست این ہنگامہ بنگر شور ہستی را
قیامت میدمد از پردۂ خاکیکه انسان شد

ردیف "د"

(۹۴)

(۱) اے دوست میری محبت کی قدر کر اور وفا سے کام لے کہ میں ایک سادہ لوح برہمن ہوں اور ظاہر ہے کہ جو شخص پتھر کو اپنا دل دے سکتا ہے وہ معشوق کے غمزے کو دل کیوں نہ دے گا

(۹۵)

(۱) میری پرسش حال کی فکر نہ کرو۔ اظہار خیال میں میری زبان کو جو لکنت ہے اس سے میری کیفیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲) میری آہ و زاری نے سننے والوں کے دل کو پگھلا دیا حالانکہ ابھی میں نے یہ کسی سے نہیں کہا ہے کہ مجھے فلاں شخص (معشوق) سے سابقہ پڑا۔

(۳) میں ان لوگوں میں نہیں ہوں کہ دوسرے حسین میری دل جوئی کریں اس لئے میں اپنی قسمت پر خوش ہوں کہ میرا محبوب بدگمان واقع ہوا ہے۔ (ورنہ دوسروں کی دل جوئی پر مجھ سے بدگمان ہو جاتا)

(۹۶)

(۱) قیامت کے شور و شغب کو دیکھو۔ یہ ہنگامہ صرف ہمارے دم سے قائم ہے یوں سمجھو کہ وہ خاک جو انسان بن گئی یہ قیامت کی

(۹۹)

(۱) مژدهٔ صبح درین تیره شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

(۲) رخ کشودند و لب هرزه سرایم بستند
دل ربودند و دو چشم نگرانم دادند

(۳) سوخت آتشکده ز آتش نفسم بخشیدند
ریخت بتخانه ز ناقوس فغانم دادند

(۴) گهر از رایت شاهان عجم برچیدند
بعوض خامهٔ گنجینه فشانم دادند

(۵) افسر از تارک ترکان پشنگی بردند
به سخن ناصیهٔ فرکیانم دادند

(۶) هرچه از دستگه پارس به یغما رفتند
تا بنالم هم ازان جمله زبانم دادند

(۱۰۰)

(۱) میرمی از من و خلقی بگمانست ز تو
بی محابا شو و بنشیں که گمان برخیزد

(۹۹)

(۱) قدرت نے ان تاریک راتوں میں مجھے صبح کی خوش خبری دی۔ ادھر شمع بجھائی اُدھر مجھے آفتاب کا سراغ دیا۔

(۲) دوست نے اپنا روئے زیبا کھولا اور میرے لب ہرزہ سرا بند کردیئے۔ میرا دل لے لیا اور منتظر آنکھیں مجھے عطا کردیں۔

(۳) اگر آتش کدہ جل بجھا تو کیا ڈر مجھے تو تقدیر نے شعلہ زبان بخشی۔ اگر بت خانہ ڈھے گیا تو کیا ہوا۔ میرے حصہ میں تو ناقوس کی سی فریاد و فغاں آئی۔

(۴) انھوں (کارکنان تقدیر) نے شاہانِ ایران کے علم کے جواہرات توڑ لئے مگر ان کے بدلے میں مجھے گوہر بار قلم عطا کردیا۔

(۵) انھوں نے ترکان پشنگی کے سر سے تاج اتار لیا لیکن مجھے شعر و سخن میں شاہان کیانی کا سا اقبال رکھنے والا مقدر بخشا۔

(۶) جب ایران کا خزانہ تاراج ہوا تو اس ساز و سامان میں سے مجھے نالہ کرنے کے لئے یہ زبان دی گئی۔

(۱۰۰)

(۱) تو مجھ سے رَم کرتا ہے اور اسی بنا پر خلق تیرے حق میں بدگمان ہے (یعنی لوگ سمجھتے ہیں کہ ع (کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے) شرم و حیا ترک کر اور میرے پاس بیٹھ تاکہ لوگوں کی بدگمانی جائے[۱]

---

۱ دوستی کا پردہ ہے بیگانگی منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

(۲) بچه گیرند عیار هوس و عشق دگر
رسم بیداد مبادا ز جهان برخیزد
(۳) عمرها چرخ بگردد که جگر سوخته‌ای
چون من از دوده آذر نفسان برخیزد
(۴) گرد هم شرح ستمهای عزیزان غالب
رسم امید همانا ز جهان برخیزد

(۱۰۱)

(۱) گوییم معنی گرچه شنیدن نشناسد
چیست شبنم را که دمیدن نشناسد
(۲) از بند چه بگشاید و از دام چه خیزد
ماییم و غزالیکه رمیدن نشناسد
(۳) ما لذت دیدار ز پیغام گرفتیم
مشتاق تو دیدن ز شنیدن نشناسد
(۴) بی پرده شو از ناز و میندیش که ما را
چون آینه چشمیست که دیدن نشناسد

(۱۰۲)

(۱) دارد خبر دریغ و من از سادگی هنوز
سنجم همی که دوست مگر ناگهان رسد

(۲) خدا کرے کہ دنیا سے حسینوں کے جور و ستم کی رسم نہ اٹھے ورنہ پھر ہوس و عشق میں امتیاز کیوں کر ہوگا۔

(۳) آسمان مدّتوں چکر کھاتا ہے تب کہیں ایک مجھ سا جگر سوختہ آتش نفس دل کے خاندان سے پیدا ہوگا ہے۔

(۴) غالب اگر میں عزیزوں کے ظلم بیان کرنے پر آؤں تو یقین ہے کہ دنیا سے امید کی رسم ہی اٹھ جیئے۔ ؎

(۱۰۱)

(۱) میں بات کرتا ہوں اگرچہ میری بات کو شنوائی سے سابقہ نہیں پڑتا۔ میری رات ایسی ہے جس کی صبح نے کبھی طلوع ہونا نہیں جانا۔

(۲) بند سے کیا فائدہ۔ اور دام سے کیا نتیجہ۔ جب کہ ہمیں ایک ایسے غزال رعنا سے کام پڑا ہے جو رم کرنے سے واقف ہی نہیں۔

(۳) اے دوست۔ ہم نے تیرے پیغام سے دیدار کا لطف حاصل کیا۔ بات یہ ہے کہ تیرا مشتاق دید اور شنید میں امتیاز نہیں کرتا۔

(۴) ناز سے بے پردہ سامنے آ، اور مطلق فکر نہ کر کیوں کہ آئینہ کی طرح ہماری آنکھیں دیکھنا نہیں جانتیں۔ ع پردیکھنے کی ہیں آنکھیں نظر نہیں آتا۔

(۱۰۲)

(۱) دوست مجھ سے اپنے آنے کی خبر تک پوشیدہ رکھتا ہے اور میری سادہ لوحی دیکھیے کہ میں اس خیال میں ہوں کہ شاید وہ اچانک آجائے۔

؎ میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

(۲) مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
هر جا کنیم سجده بدان آستان رسد

(۳) در دام بهر دانه نیفتم مگر قفس
چندان کنی بلند که تا آشیان رسد

(۴) تیر نخست را غلط انداز گفته ام
ای وای گر نه تیر دگر بر نشان رسد

(۱۰۳)

(۱) از ناله ام مرنج که آخر شدست کار
شمع خموشم وز سرم دود می رود

(۲) شادم به بزم وعظ که رامش اگرچه نیست
باری حدیث چنگ و نی و عود می رود

(۳) رشک وفا نگر که بدعوی گه رضا
هر کس چگونه در پی مقصود می رود

(۴) فرزند زیر تیغ پدر می نهد گلو
گر خود پدر در آتش نمرود می رود

(۱۰۴)

(۱) رفت آنکه ما ز حسن مدارا طمع کنیم
سر رشته در کف ارنی گوی طور بود

(۲) دیر و حرم سے ہمارا مقصود دوست کے سوا کچھ نہیں۔ ہم جہاں بھی سجدہ کریں ہمارا سجدہ اسی آستاں تک پہونچے گا۔

(۳) میں دانہ کی خاطر دام میں نہیں پھنستا۔ ہاں یہ چاہتا ہوں کہ صیاد قفس اتنا اونچا لٹکائے کہ میرے آشیاں تک پہنچ جائے (تب میں خود قفس میں آجاؤں گا)

(۴) میں نے اپنی بد قسمتی کے خیال سے اس کے پہلے تیر کو غلط انداز کہا اگر دوسرا تیر بھی نشانہ پر نہ بیٹھے تو کس قدر افسوس ہوگا۔

(۱۰۳)

(۱) میری فریاد سے آزردہ نہ ہو کیوں کہ اب آخر وقت آگیا میں ایک شمع خاموش ہوں اور میرے سر سے دھواں بلند ہو رہا ہے (جس کو نالہ سمجھتے ہو)

(۲) میں وعظ کی محفل سے خوش ہوں۔ اس لئے کہ اگرچہ وہاں گانا نہیں ہوتا تاہم چنگ کا اور عود کا تذکرہ تو ہوتا ہے۔

(۳) وفا کے معاملہ میں بھی کبھی آپس رشک ہوا کرتا ہے دیکھو تسلیم رضا کے میدان میں ہر فرد کیوں کر بازی لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔

(۴) اگر باپ (حضرت ابراہیمؑ) آتش نمرود میں بے خطر کود پڑتے ہیں تو فرزند (حضرت اسماعیلؑ) باپ کی تیغ کے نیچے گلا رکھ دیتا ہے۔

(۱۰۴)

(۱) وہ زمانے کہاں کہ حسن سے دل جوئی کی توقع کی جائے۔ تمام معاملہ طور پر (ارنی) کہنے والے (حضرت موسیٰ) کے ہاتھ میں تھا۔ جب اتنی

(۲) مجرم مسنج رندانا الحق سرای را
معشوقہ خودنمای ونگہبان غیور بود

(۳) نازم بامتیاز کہ بگذشتن از گناہ
با دیگران زعفو وبما از غرور بود

(۴) دادی صلای جلوہ وغالب کنارہ کرد
کو بخشش آن گدا کہ زغوغا نفور بود

(۱۰۵)

(۱) بجان نوید کہ شرم از میانۂ ہم رفت
بہ عیش مژدہ کہ وقت وداعِ ہوش آمد

(۲) خیال یار در آغوشم آن چنان بفشرد
کہ شرم اشبم از شکوہای دوش آمد

(۳) فدای شیوۂ رحمت کہ در لباس بہار
بعذرخواہی رندان بادہ نوش آمد

(۴) زوصل یار قناعت کنون بہ پیغامیست
خزانِ چشم رسید و بہارِ گوش آمد

کو دید میں ناکامی ہوئی تو ہم کس شمار میں ہیں۔

(۲) جس رند نے اناالحق کا نعرہ لگایا تھا اس کو مجرم نہ سمجھو۔ بات یہ تھی کہ محبوب خود نما تھا اور نگہبان (اہل شریعت) غیور تھے (جنھوں نے منصور کو قصور وار ٹھہرایا)

(۳) معشوق نے غیروں کی اور ہماری خطا سے درگذر کی مگر ہم اس امتیاز ہی پر نازاں ہیں کہ اس کا برتاؤ دوسروں کے ساتھ عفو پر مبنی تھا اور ہمارے ساتھ غرور پر۔

(۴) تو نے سب کو اپنے جلوہ کی صلائے عام دی، اور غالب نے کنارہ کشی اختیار کی۔ لیکن یہ تو بتا کہ اس سائل کا حصہ کہاں ہے جو غوغائے خلق سے بھاگ کر الگ جا بیٹھا۔

(۱۰۵)

(۱) جان کو خوش خبری ہو کہ شرم ہمارے (میرے اور دوست کے) درمیان سے رخصت ہوئی عیش کو مژدہ ہو کہ ہوش کے وداع کا وقت آگیا۔

(۲) آج رات محبوب کے تصوّر نے مجھے آغوش میں لے کر ایسا بھینچا کہ مجھے اپنی کل کی شکایت پر شرم آنے لگی۔

(۳) شان رحمت کے قربان جائیے جو بہار کے بھیس میں رندان بلانوش کے پاس عذر خواہی کی غرض سے آگئی۔

(۴) وصال یار کہاں میسر اب تو اس کے پیام ہی پر قناعت کرنا پڑتی ہے گویا آنکھوں کی خزاں کا زمانہ آگیا اور کانوں کی بہار کا موسم شروع ہوگیا۔

(۵) ترا جمال و مرا مایۂ سخن سازیست
بہار زینت دکان گل فروش آمد

(۶) میرس وجہ سواد سفینہا غالب
سخن بہ مرگ سخن رس سیاہ پوش آمد

(۱۰۶)

(۱) جان بر سر مکتوب تو از شوق فشاندن
از عہدۂ تحریر جوابم بدر آورد

(۲) ساقی بنگہی تابشناسم زچہ جامست
آن بادہ کہ از بند حجابم بدر آورد

(۱۰۷)

(۱) آنانکہ وصل یار ہمی آرزو کنند
باید کہ خویش را بگداز ند و اوکنند

(۲) خون ہزار سادہ بہ گردن گرفتہ اند
آنانکہ گفتہ اند نکویان نکو کنند

(۳) لب تشنہ جوی آب شمارد سراب را
می زیبد ار بہ ہستی اشیا غلو کنند

(۵) تیرا جمال تیرے لئے جمال ہے اور میرے لئے سخن گستری کا سرمایہ، یہ ایسا ہی ہے جیسے بہار کی آمد، گل فروش کی دکان کی رونق کا سبب بن جاتی ہے۔

(۶) غالب دفتر شعر کی سیاہی کی وجہ نہ پوچھ۔ دراصل سخن نے سخن فہموں کے مرنے پر ماتمی لباس پہن لیا ہے۔

(۱۰۶)

(۱) تیرے مکتوب کو دیکھ کر میں نے شوق میں جان نثار کردی۔ خیر اتنا تو ہوا کہ یوں تحریر جواب کی ذمہ داری سے چھوٹ گیا۔

(۲) اے ساقی ادھر بھی ایک نظر تاکہ میں یہ پہچان سکوں کہ وہ شراب جس نے مجھے قیدِ حجاب سے آزاد کردیا کس جام سے دی گئی تھی۔

(۱۰۷)

(۱) جو لوگ وصل یار کے آرزومند ہیں ان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اتنا مٹا دیں کہ اسی میں فنا ہو جائیں

(۲) جن لوگوں کا یہ قول تھا کہ اچھوں (حسینوں) سے اچھائی ہی ظہور میں آتی ہے انھوں نے نہ جانے کتنے بھولے بھالے عاشقوں کا خون اپنی گردن پر لیا۔

(۳) پیاسا شخص (نادانی سے) سراب کو دریا سمجھتا ہے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جو کائنات کی ہستی کے بارے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔

(۱۰۸)

(۱) چون گویم از تو بر دل شیدا چہ می رود
بنگر بر آبگینہ ز خارا چہ می رود

(۲) گویی مباد در شکن طرہ خون شود
دل زان تست از گرہ ما چہ می رود

(۳) پیداست بے نیازی عشق از فنای ما
گر زورقی شکست ز دریا چہ می رود

(۴) آیینہ خانہ ایست غبارم ز انتظار
او جانب چمن بہ تماشا چہ می رود

(۵) با ما کہ محو لذت بیداد گشتہ ایم
دیگر سخن ز مہر و مدارا چہ می رود

(۶) ہفت آسمان بگردش و ما در میانہ ایم
غالب دگر مپرس کہ بر ما چہ می رود

(۱۰۹)

(۱) سرت گردم بزن تیغ و دری بر روی دل بکشا
دلم تنگست کار از زخم پیکان بر نمی آید

(۱۰۸)

(۱) میں کیا بتاؤں کہ تیرے ہاتھوں میرے دل شیدا پر کیا بیتی ہے بس یہ دیکھ لے کہ پتھر کی بدولت شیشے پر کیا گزری ہے۔

(۲) تم کہتے ہو کہ ایسا نہ ہو کہ تیرا دل زلفوں کی شکن میں خون ہو جائے مگر دل تو تمہارا ہے میری گرہ سے کیا جاتا ہے۔

(۳) ہماری بربادی سے عشق کی بے نیازی آشکار ہے اگر ایک کشتی ٹوٹ جاتی ہے تو ٹوٹ جائے دریا کا کیا نقصان ہے۔

(۴) میری خاک انتظار کے باعث آئینہ خانے سے مشابہ ہے جب ایسا ہے تو دوست تماشائے چمن کے لئے فضول جاتا ہے میری خاک ہی کو دیکھ لے۔

(۵) ہم بیداد کی لذت میں محو ہو گئے ہیں ہم سے جبر و محبت کا ذکر بے کار ہے۔

(۶) غالب ہم سے نہ پوچھو کہ ہم پر کیا گزرتی ہے ساتوں آسمان گردش میں ہیں اور ہم ان کے درمیان (پسے جا رہے) ہیں۔

(۱۰۹)

(۱) تیرے قربان جاؤں تلوار لگا اور دل کو کشادہ کر۔ کیوں کہ یہ تنگ ہے اور زخم تیرے کام نہ بنے گا۔ ؎۱

؎۱ نہیں ذریعۂ راحت جراحت پیکاں وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دل کشا کہیے

(۲) بدوش خلق نعشم عبرت صاحبدلان باشد
بپای خود کسی از کوی جانان برنمی آید

(۳) برآر از بزم بحث ای جذبۂ توحید غالب را
کہ ترک سادۂ ما با فقیہان برنمی آید

(۱۱۰)

(۱) چہ عیش از وعدہ چون باور ز عنوانم نمی آید
بنوعی گفت می آیم کہ میدانم نمی آید

(۲) گذشتم زانکہ بر زخم دل صدپارہ خون گرید
خود از راخندہ برچاک گریبانم نمی آید

(۳) براہ کعبہ زادم نیست شادم کز سبکباری
برفتن پای برخار مغیلانم نمی آید

(۴) دبیرم شاعرم رندم ندیمم شیوہ ہا دارم
گرفتم رحم بر فریاد و افغانم نمی آید

(۱۱۱)

(۱) دل درافروختنش منت دامن نکشید
شادم از آہ کہ ہم آتش و ہم باد آمد

(۲) دنیا والوں کے کاندھوں پر میری نعش صاحب دلوں کے لئے عبرت بن گئی ہے ظاہر ہے کہ کوئی اپنے پاؤں سے محبوب کی گلی سے نکلنا پسند نہیں کرتا (مجبوری کی دوسری بات ہے)۔

(۳) اے جذبۂ توحید غالبؔ کو قیل و قال کی محفل سے نکال لا۔ کیوں کہ ہمارے اس بھولے بھالے ترک (غالب) کا فقہا سے نباہ نہیں ہو سکتا۔

(۱۱۰)

(۱) جب دوست کے انداز بیان سے مجھے اس کے وعدے کا یقین نہیں آتا تو وعدہ کی کیا خوشی اس نے اس طرح آنے کا اقرار کیا کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ ہرگز نہ آئے گا۔

(۲) اس کی تو امید کہاں کہ وہ میرے دل صد پارہ پر خون کے آنسو بہائے جب کہ اس کو میرے چاک گریباں پر ہنسی تک نہیں آتی (اس قدر بے تعلق ہے)

(۳) میں کعبے کے سفر میں توشہ لے کر نہیں چلا۔ پھر بھی خوش ہوں کہ بوجھ ہلکا ہونے کی وجہ سے میرے پاؤں خار مغیلاں پر نہیں پڑتے۔

(۴) میں نے مانا کہ اس کو میری فریاد پر رحم نہیں آتا۔ مگر میں دبیر، شاعر رند اور ندیم بھی تو ہوں۔ کاش وہ ان اوصاف ہی کا پاس کرتا۔

(۱۱۱)

(۱) میں اپنی آہ سے خوش ہوں کہ اس میں آگ کی خاصیت بھی ہے اور ہوا کی بھی۔ اور اس کے بھڑکنے کے لئے جنبش دامن کا احسان اٹھانا نہ پڑا۔

(۲) خیز و در ماتم ما سرمه فروشوی ز چشم
وقت مشاطگی حسن خدا داد آمد

(۳) بر درِ یار چه غوغاست عزیزان بروید
خونبها مزد شب یک دستی جلاد آمد

(۱۱۲)

(۱) دوش کز گردش بختم گله بر روی تو بود
چشم سوی فلک و روی سخن سوی تو بود

(۲) دوست دارم گرهی را که بکارم زده اند
کاین همانست که پیوسته در ابروی تو بود

(۱۱۳)

(۱) گر چنین ناز تو آمادهٔ یغما ماند
به سکندر نرسد هر چه ز دارا ماند

هم بسودای تو خورشید پرستم آری،
دل ز مجنون برد آهو که به لیلا ماند

(۲) اٹھ اور ہمارے ماتم میں آنکھ سے سرمہ پونچھ ڈال کہ اب حسن خدا داد کی نمایش کا وقت آیا۔

(۳) دوستو! جاؤ اور دیکھو کہ درِ یار پر کیا ہنگامہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل نے بڑی چابک دستی سے کام لیا۔ اس لئے جو رقم خوں بہا میں ملتی وہ اس (قاتل) کے انعام کے طور پر واجب ہوگئی۔

(۱۱۲)

(۱) کل جب میں تیرے سامنے گردشِ تقدیر کا گلہ کر رہا تھا تو میری نظریں آسمان کی طرف تھیں مگر روئے سخن تیری طرف

(۲) میں اس گرہ (عقدہ مشکل) کو دل سے پسند کرتا ہوں جو قسمت نے میرے کاموں میں ڈال دی ہے کیوں کہ یہ گرہ وہی ہے جو ہمیشہ تیرے ابروؤں میں رہی ہے۔ (ابرو کی گرہ سے مراد تیوری ہے جو غصے میں ابرو پر پڑجاتی ہے)

(۱۱۳)

(۱) اگر تیرا ناز اسی طرح آمادہ غارت گری رہا تو امید نہیں کہ جو (ملک و مال) دارا نے چھوڑا تھا وہ سکندر تک پہونچے۔

(۲) جس طرح ہرن کی آنکھوں میں لیلیٰ کی مشابہت پاکر مجنوں بے اختیار ہو جاتا تھا۔ اسی طرح میں بھی آفتاب میں تیری مماثلت دیکھ کر آفتاب پرستی پر مایل ہوگیا۔

(۳) بنده‌ای را که بفرمان خدا راه رود
نگذارند که در بند زلیخا ماند

(۴) در بغل دشنه نهان ساخته غالبؔ امروز
مگذارید که ماتم‌زده تنها ماند

(۱۱۴)

(۱) بستند ره جرعهٔ آبی به سکندر
دریوزه گر میکده صهبا به کدو برد

(۲) یک گریه پس از ضبط دو صد گریه رضا ده
تا تلخی آن زهر توانم ز گلو برد

(۳) نازد به نکویان ز گرفتاری غالبؔ
گویی بگرو برد دلی را که ازو برد

(۱۱۵)

(۱) نادان صنم من روش کار نداند
بر هر که کشد رحم سر از بار نداند

(۲) بی دشنه و خنجر نبود معتقد زخم
دلهای عزیزان بغم افگار نداند

(۳) جو بندہ خدا کی راہ پر چلتا ہے قدرت نہیں چاہتی کہ وہ زلیخا کی قید میں اسیر رہے۔

(۴) آج غالبؔ بغل میں خنجر چھپائے ہوئے ہے اس کو اکیلا نہ چھوڑو (نہ جانے کیا کر گذرے)

(۱۱۴)

(۱) تقدیر نے سکندر کو پانی (آبِ حیات) کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا۔ اس کے برخلاف گدائے میکدہ اپنی تونبی میں شراب بھی بھر کرلے گیا۔ (جو آبِ حیات سے بڑھ کر ہے)

(۲) سو بار آنسو ضبط کرنے کے بعد ایک دفعہ تو مجھ کو رونے کی اجازت دے۔ تاکہ اس زہر (ضبطِ گریہ) کی تلخی حلق سے اتر سکے۔

(۳) محبوب غالبؔ کو گرفتارِ محبت کر کے دوسرے حسینوں کے سامنے فخر کرتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے غالبؔ کا دل شرط بد کر لیا ہے۔

(۱۱۵)

(۱) میرا معشوق نہایت نادان ہے وہ اگر کسی پر رحم بھی کرتا ہے تو سر اور بوجھ میں امتیاز نہیں کرتا (یعنی عاشق کا سر اتار کر سمجھتا ہے کہ میں نے اس کا بوجھ ہلکا کر دیا)

(۲) وہ تیغ و خنجر کے بغیر زخم کا قائل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو عاشقوں کے دلوں کے زخمی ہونے کی خبر نہیں۔

(۳) بر تشنہ لب بادیہ سوزد دلش از مہر
اندوہ جگر تشنۂ دیدار نداند
(۴) دشوار بود مردن و دشوار تر از مرگ
آنست کہ من میرم و دشوار نداند
(۵) پیمانہ بر آن رند حرامست کہ غالب
در بیخودی اندازۂ گفتار نداند

(۱۱۶)

(۱) دہد بہ مجلسیان بادہ و بنوبت من
بمن نماید و در انجمن فرو ریزد

(۱۱۷)

(۱) اگر بدل نخلد ہرچہ از نظر گذرد
زہی روانیٔ عمری کہ در سفر گذرد
(۲) بوصل لطف باندازۂ تحمل کن
کہ مرگ تشنہ بود آب چون ز سر گذرد

(۳) ازین اوریب نگاہان حذر کہ ناوکشان
بہر دلیکہ رسد راست از جگر گذرد
(۴) دماغ محرمیٔ دل رساندن آسان نیست
چہا کہ بر سر خارا ز شیشہ گر گذرد

(۳) جو لوگ بیابان میں پیاس کی ایذا اٹھاتے ہیں ان پر تو اس کو رحم آتا ہے۔ مگر جو دیدار کے پیاسے ہیں ان کی تکلیف کا اس کو احساس نہیں۔

(۴) مرنا بے شک دشوار ہے لیکن اس سے زیادہ دشوار یہ ہے کہ میں مر رہا ہوں اور وہ اس کو آسان سمجھتا ہے۔

(۵) غالب اس رند کو جام شراب حرام ہے جس کو بے خودی میں گفتگو کی حدود کا خیال نہ رہے۔

(۱۱۶)

(۱) وہ اہلِ بزم کو شراب دیتا ہے اور جب میری باری آتی ہے تو مجھے دکھا کر شراب گرا دیتا ہے۔

(۱۱۷)

(۱) جو عمر کہ سفر میں گزرے اس کی روانی کا کیا کہنا۔ بشرطیکہ جو منظر نگاہ سے گذریں دل ان میں الجھ کر نہ رہ جائے۔

(۲) وصل یار میں اس حد تک التفات کر کہ میں برداشت کر سکوں۔ کیونکہ جب پانی پیاسے کے سر سے گذر جاتا ہے تو اس کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔

(۳) ان ترچھی نظر والوں سے دور ہی رہنا اچھا کیوں کہ ان کا تیر جس دل میں لگتا ہے اس سے گذر کر جگر کے پار ہو جاتا ہے۔

(۴) دل کے محرم راز ہونے کا حوصلہ کرنا کچھ آسان نہیں۔ جانتے ہو کہ شیشہ بننے کے لئے پتھر پر شیشہ گر کے ہاتھ سے کیا گذر جاتی ہے۔

(۱۱۸)

(۱) خواجه فردوس بمیراث تمنا دارد
وای گردر روش نسل به آدم نرسد

(۲) هر کجا دشنهٔ شوق تو جراحت بارد
جز خراشی به جگر گوشهٔ او هم نرسد

(۳) طوبی فیض تو هر جا گل و بار افشاند
زنده سیمی به پرستش گه مریم نرسد

(۱۱۹)

(۱) ای سبزه کم سره از جور ریاحین نالی!
در کیش روزگاران گل خون بها ندارد

(۲) هر مطلعی که ریزد از خامهٔ ام فنا نیست
جز نغمهٔ محبت سازم نوا ندارد

(۳) برخویشتن ببخشای گفتم دگر تو دانی
دارم دلی که دیگر تاب جفا ندارد

(۴) چون لعل تست غنچه اما سخن نداند
چون چشم تست نرگس اما حیا ندارد

(۱۱۸)

(۱) شیخ آدمؑ کی میراث میں جنت کا آرزو مند ہے لیکن اگر نسل کے لحاظ سے اس کا سلسلہ آدم تک نہ پہونچا تو کیا ہوگا۔

(۲) جہاں تیری (محبوب حقیقی کی) محبت کا خنجر عاشقوں کو گھایل کر دیتا ہے وہاں ابراہیم بن ادھم کو صرف ہلکی سی خراش نصیب ہوتی ہے۔

(۳) جس جگہ تیرے فیض کا طوبیٰ پھل پھول برساتا ہے وہاں مریم کے عبادت خانہ تک معمولی ہوا کا جھونکا بھی پہونچتا ہے۔

(۱۱۹)

(۱) اے سبزۂ سر راہ پامالی کی شکایت نہ کر کیونکہ اہل زمانہ کے مسلک میں پھول کی ہلاکت پر بھی خوں بہا کا دستور نہیں۔

(۲) جو مطلع کہ میرے قلم سے نکلتا ہے وہ فریاد و فغاں کے سوا کچھ نہیں اور میرے ساز میں نغمۂ محبت کے سوا اور کوئی ترانہ نہیں۔

(۳) میں کہے دیتا ہوں کہ اپنے اوپر رحم کر ورنہ تو جانے اور تیرا کام کیونکہ میرے دل میں اب ستم اٹھانے کی طاقت نہیں۔

(۴) غنچہ تیرے لب لعل کی طرح ہے مگر گویا نہیں اور نرگس تیری آنکھوں سے مشابہ ہے مگر اس میں حیا نہیں۔

(۱۲۰)

(۱) ازجوی شیر وعشرت خسرو نشان نماند
غیرت هنور طعنه به فرهاد می زند
(۲) هرگز مذاق درد اسیری نبوده است
یا ناله ایکه مرغ قفس زاد می زند
(۳) ممنون کاوشش مژه و نیشترنیم
دل موج خون ز درد خداداد می زند
چون دید کز شکایت بیداد فارغم
بر زخم سینه ام نمک داد می زند

(۱۲۱)

(۱) خون ریختن بکوی تو کرد از چشم ماست
مردم ترا برای چه خون ریز گفته اند

(۱۲۲)

(۱) گفتم گره زکار دل و دیده باز کن
از جبهه ناکشوده به بند نقاب زد

(۱۲۰)

(۱) اب نہ جوئے شیر کا پتہ ہے اور نہ خسرو پرویز کے عیش و عشرت کا۔ لیکن غیرت اب بھی فرہاد کو طعنہ دیئے جاتی ہے۔[1]

(۲) مرغ قفس جو قید میں نالہ کرتا ہے اس میں درد اسیری کا ذوق نہیں پایا جاتا۔

(۳) میں مژگان اور نشتر کی کاوش کا احسان مند نہیں۔ بلکہ میرا دل درد خدا داد کی لہروں میں غوطہ کھاتا ہے۔

(۴) جب دوست نے دیکھا کہ میں اس کی بے داد کی شکایت سے بے نیاز ہوں تو اس نے میرے سینے کے زخم پر داد (تعریف) کا نمک چھڑکا۔

(۱۲۱)

(۱) تیرے کوچے میں خون (اشک خون) بہانا تو میری آنکھوں کا خاصہ ہے معلوم نہیں کہ لوگ تجھے کس لئے خوں ریز کہتے ہیں۔

(۱۲۲)

(۱) میں نے دوست سے کہا کہ میرے کام میں جو گرہ پڑ گئی ہے اس کو اپنی عنایت سے کھول دے مگر اس نے پیشانی کی گرہ کھولے بغیر اپنے بند نقاب میں (گرہ) لگالی۔

---

[1] عشق و مزدوری عشرت گہہ خسرو کیا خوب۔ ہم کو تسلیم نکونامی فرہاد نہیں

(۱۲۳)

(۱) دل نہ تنہا ز فراق تو فغان ساز دہد
رفتن عکس تو از آئینہ آواز دہد

(۲) ہای پرکاری ساقی کہ بہ ارباب نظر
می باندازہ و پیمانہ بانداز دہد

(۳) چون نہ نازد سخن از مرحمت دہر بخویش
کہ برد عرفی و غالب بعوض باز دہد

(۱۲۴)

(۱) گفتہ باشی کہ بہر حیلہ در آتش فگنش
غیر می خواست مرا بیتو بہ گلزار برد

(۲) ناز را آینہ ما بیم بفرما تا شوق
بتو از جانب ما مژدۂ دیدار برد

(۱۲۳)

(۱) صرف دل ہی تیری جدائی میں فریاد نہیں کرتا بلکہ جب تیرا عکس آئینے سے جدا ہوتا ہے تو آئینہ بھی فغاں پر مجبور ہوتا ہے۔

(۲) ساقی کی ہوشیاری تو دیکھو کہ اہل نظر کو شراب ایک حد معین کے اندر اندر اور جام نازو ادا کے ساتھ بخشتا ہے۔

(۳) زمانے نے سخن (شاعری) پر جو عنایت خاص کی ہے اس پر سخن کیوں نہ ناز کرے۔ کہ اس نے (زمانے نے) عرفی کو اٹھالیا اور اس کی جگہ غالب کو لا بٹھایا۔

(۱۲۴)

(۱) غیر چاہتا تھا کہ مجھ کو تیرے بغیر سیر باغ کے لئے جائے۔ شاید تونے اس سے کہا ہوگا کہ کسی حیلے بہانے سے اس (عاشق) کو آگ میں جھونک دے (سیر باغ مجھے آگ کی طرح ناگوار ہے)

(۲) ہم ناز کا آئنہ بن گئے ہیں (یعنی ہمارے اندر حسن کا پرتو جلوہ گر ہے) اس لئے شوق کو حکم دے کہ ہماری طرف سے تجھے مژدہ دیدار دے۔ مطلب یہ ہے کہ اب اگر تو چاہے تو ہمارے اندر اپنے جمال کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

(۱۲۵)

(۱) جز سخن کفری و ایمانی کجاست
خود سخن در کفر و ایمان می رود

(۲) هر شمیمی را مشامی در خورست
بوی پیراهن به کنعان می رود

(۱۲۶)

(۱) نومیدی ما گردش ایام ندارد
روزیکه سیه شد سحر و شام ندارد

(۲) گردید نشانها هدف تیر بلاها
آسایش عنقا که بجز نام ندارد

(۳) بلبل بچمن بنگر و پروانه بمحفل
شوقست که در وصل هم آرام ندارد

(۱۲۷)

(۱) چه خیزد از سخنی کز درون جان نبود
بریده باد زبانیکه خونچکان نبود

(۱۲۵)

(۱) اب نہ کفر ہے نہ ایمان - باتیں ہی باتیں ہیں. گویا کفر و ایمان کے وجود میں بھی کلام ہے ہر شمیم کے لئے مشام کی شرط ہے (ہر ایک کا دماغ شمیم کا حق دار نہیں) اس کی مثال حضرت یوسفؑ کے بوئے پیرہن کی سی ہے کہ جس کا فیض صرف کنعان سے مخصوص تھا۔

(۱۲۶)

(۱) ہماری مایوسی پر انقلاب زمانہ کا کوئی اثر نہیں - جو دن کہ تیرہ بختی کی بدولت سیاہ ہو اس کی سحر و شام نہیں ہوتی

(۲) جو نشان والے تھے وہ تقدیر سے تیر بلا کا نشانہ بن گئے اس لحاظ سے عنقا مزے میں ہے جو کہ اگرچہ نام رکھتا ہے مگر بے نشان ہے۔

(۳) شوق (عشق) کا یہ حال ہے کہ اس شوق کو وصل میں آرام نصیب نہیں۔ یقین نہ ہو تو باغ میں بلبل کو اور بزم میں پروانے کو دیکھ لو۔[لہ]

(۱۲۷)

(۱) جو بات دل سے نہیں نکلتی وہ اثر سے خالی ہوتی ہے ایسی زبان جس سے خون نہ ٹپکے اس کا کٹ جانا ہی بہتر ہے۔

لہ گر ترے دل میں ہو خیال، وصل میں شوق کا زوال۔
موج محیط آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

(۲) حکیم ساقی دمی تند و من ز بدخویی
زرطل بادہ بخشم آیم ار گران نبود

(۳) زخویش رفتہ ام و فرصتی طمع دارم
کہ باز گردم و جز دوست ارمغان نبود

بالتفات نگارم چہ جای تہنیت ست
دعا کنید کہ توجہ زامتحان نبود

(۱۲۸)

(۱) برند دل بادایی کہ کس گمان نہ برد
فغان ز پردہ نشینان کہ پردہ دارانند

(۲) بجنگ تا چہ بود خوی دلبران کاین قوم
در آشتی نمک زخم دلفگارانند

(۱۲۹)

(۱) دلستانان بجلد ارچہ جفا نیز کنند
از وفا بیکہ نہ کردند حیا نیز کنند

(۲) چون بہ بینند بترسند و بہ یزدان گروند
رحم خود نیست کہ بر حالِ گدا نیز کنند

(۳) خستہ تا جان ندہد وعدۂ دیدار دہند
عشوہ خواہند کہ در کار قضا نیز کنند

(۲) ساقی دانا ہے اور شراب تیز۔ مگر میری بدمزاجی کا یہ عالم ہے کہ اگر جام لبریز نہ ہو تو مجھے ناگوار ہوتا ہے۔

(۳) میں اپنے آپے سے گذر گیا ہوں (یعنی بے خود ہوں) اور اس وقت کا منتظر ہوں کہ جب واپس آؤں (یعنی ہوش میں آؤں) تو دوست کے سوا اور کوئی تحفہ لے کر نہ آؤں۔

(۴) محبوب کے التفات پر مجھے مبارک باد دیے جانے کا کوئی محل نہیں بس اتنا دعا کرو کہ یہ التفات بھی کوئی آزمایش نہ ہو۔

(۱۲۸)

(۱) دہائی ہے کہ یہ پردہ نشین جو پردہ داری کے خوگر ہیں ایسی مخفی اداؤں دل چھین لیتے ہیں۔ کہ کسی کو شبہ بھی نہیں ہوتا۔

(۲) جب یہ حسین صلح کی حالت میں زخمی دلوں پر نمک چھڑکتے ہیں تو جنگ کی حالت میں کیا کچھ نہ کریں گے۔

(۱۲۹)

(۱) دل ربا اگرچہ ظلم کرتے ہیں لیکن انھیں سب معاف ہے یہ کیا کم ہے کہ یہ اس جفا سے جو انھوں نے کبھی نہیں کی شرماتے تو ہیں

(۲) جب کسی تباہ حال (عاشق) کو دیکھتے ہیں تو ڈر کر خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں رہا رحم سو ان میں ہے کہاں جو کسی غریب کے حال پر کریں۔

(۳) دیدار کا وعدہ کرتے بھی ہیں۔ تو اس نیت سے کہ عاشق بیمار مایوس ہو کر جان نہ دیدے۔ مطلب یہ کہ وہ مشیت خداوندی میں بھی حیلہ

(۴) اندران روز که پرسش رود از هرچه گذشت
کاش با ما سخن از حسرت ما نیز کنند

(۱۳۰)

(۱) کشاد شست ادای تو دل نشین منست
اگر خدنگ تو در دل نشست جا دارد
(۲) پی عتاب همانا بهانه می طلبد
شکایتیکه ز مانیست هم بجا دارد

(۱۳۱)

(۱) نقاب دار که آیین رهزنی دارد
جمال یوسفی و فرّ بهمنی دارد

(۲) چه ذوق رهروی آنرا که خار خاری نیست
مرو به کعبه اگر راه ایمنی دارد

سے کام لینا چاہتے ہیں۔

(۴) قیامت کے روز جب تمام گذشتہ واقعات کی پرسش ہوگی کاش ہم سے ہماری حسرت کے بارے میں بھی سوال ہو۔[له]

(۱۳۰)

(۱) تیری ادا کی چٹکی سے جو تیر آتا ہے وہ دل نشین ہے اس لئے اگر وہ میرے دل میں بیٹھ گیا تو بجا ہے۔

(۲) دوست عتاب کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈھتا ہے یہاں تک کہ جن شکایتوں کا ہم سے کوئی تعلق نہیں وہ بھی ہم سے ہی کرتا ہے۔

(۱۳۱)

(۱) ہمارا نقاب دار (محبوب) جو دلوں کی رہزنی کے طریقے جانتا ہے۔ وہ حضرت یوسف کا سا جمال اور بہمن (ایران کا بادشاہ) کا سا جاہ و جلال رکھتا ہے۔

(۲) اگر سفر میں مصائب کا سامنا نہ ہو تو سفر ہی کیا۔ یہاں تک کہ اگر کعبے کی راہ بے خوف و خطر ہو تو کعبے کو بھی نہ جا۔

له آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد — مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد — یا رب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے۔

(۲) بیا دریدگر این جا بود زبان دانی
غریب شهر سخنهای گفتنی دارد

(۱۳۲)

(۱) شبروی غمزه‌ای صبر و دل و دین ربود
جان که از و باز ماند شحنهٔ تقدیر برد

(۱۳۳)

(۱) دل را بکار ناز چه سرگرم کرده‌ای
یعنی بخویشتن هم کند وازتو هم کشد

(۲) صهبا حلال زاهد شب زنده دار را
اما بشرط آنکه همان صبحدم کشد

(۱۳۴)

(۱) تا خود به پرده ره نه دهد کام جوی را
در پرده رخ نمود و دل از پرده دار برد

(۲) گفتند حور و کوثر و دادند ذوق کار
منع ست نام شاهد و می آشکار برد

(۳) اگر اس شہر میں کوئی زبان سمجھنے والا ہو تو اس کو یہاں لے آؤ کیوں کہ ایک پردیسی آیا ہے اور کچھ کہنا چاہتا ہے۔

(۱۳۲)

(۱) غمزہ محبوب نے شبرو[1] کی طرح میرا صبر دل اور دین اڑا لیا اور جان جو بچ رہی تھی وہ شحنۂ[2] تقدیر نے جھپٹ لی۔

(۱۳۳)

(۱) تو نے میرے دل کو ناز کے معاملہ میں عجب خدمت بخشی ہے کہ ایک طرف تیرے ناز اٹھاتا ہے اور دوسری طرف اپنے آپ سے بھی ناز کرتا ہے (اپنی قسمت پر ناز کرتا ہے)

(۲) زاہد شب زندہ دار کو شراب حلال ہے لیکن شرط یہ ہے کہ منہ اندھیرے (چھپ کر) پی لیا کرے۔

(۱۳۴)

(۱) اس نے در پردہ جلوہ دکھایا۔ او محرم راز (عاشق) کا دل چھین لیا۔ جس میں یہ مصلحت تھی کہ اہل غرض کی رسائی پردہ تک نہ ہو سکے

(۲) شاہد وے کا نام علانیہ لینا خلاف مصلحت تھا اس لئے تو، وہ کو کہہ کر اہل طلب کے دل میں لگن پیدا کردی۔

---

[1] چور [2] کوتوال

(۳) تا فتنه راز گردش چشم سیاه گفت
گینیکه داشتم بدل از روزگار برد

(۴) پیشم ازان بپرس که پرسی و اہل کوی
گویند خستہ زحمت خود زین دیار برد

(۵) نازم فریب صلح که غالب زکوی تو
ناکام رفت و خاطر امیدوار برد

(۱۳۵)

(۱) گم درو ی زر شکست اینکه غم خواری نمی خواہم
ترسم [illegible] ہر که از حالم خبر گیرد

(۱۳۶)

(۱) در حسن بیک گونه ادا دل نتوان بست
نعلت مزه دارد اگر اعجاز نه دارد

(۲) تمکین برہمن دلم از کفر به گرداند
بت خانه [illegible] خانه براندازنه دارد

(۳) ما ذرہ و او مہر ہمان جادہ [illegible] دید
آئینه [illegible] جست پروازنه دارد

(۳) جب دوست نے بتایا کہ فتنہ اس کی چشم سیاہ کی گردش کا اثر ہے تو میرے دل میں زمانے کی طرف سے جو شکایتیں تھیں سب مٹ گئیں۔

(۴) میرا حال زار پوچھ قبل اس کے کہ تو پوچھے اور اہل محلہ کہیں کہ وہ غریب تو چل بسا۔

(۵) فریب صلح کے قربان جاؤں کہ اگرچہ میں تیرے کوچے سے ناکام گیا مگر پھر بھی امید لے کر جا رہا ہوں (گو جھوٹی ہی سہی)

(۱۳۵)

(۱) میں دوست کی یاد میں اپنے کو بھلا بیٹھا ہوں اور رشک کے باعث کسی غم خوار کا بھی طالب نہیں۔ کیوں کہ ڈرتا ہوں کہ جو کوئی میرے حال سے واقف ہوگا وہ رقیب بن بیٹھے گا۔

(۱۳۶)

(۱) اگر ایک ہی طرح کی ادا ہو تو حسن سے دل لگانا مشکل ہے تیرے لب لعل میں اگر معجزہ نہیں نہ سہی، لذت تو ہے

(۲) بت خانہ میں بت تو ہیں مگر کوئی بت خانہ برانداز نہیں یہی وجہ ہے کہ برہمن کی مستقل مزاجی دیکھ کر میرا دل کفر سے پھر گیا

(۳) میں ذرہ ہوں اور وہ آفتاب۔ اس کا کام جلوہ نمائی اور میرا کام دیدار۔ میرے آئینہ (دل) کو صیقل کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۴) ہر دل شدہ از دوست در انداز جفاییست
مانا کہ نگاہِ غلط انداز نہ دارد

(۵) کیفیت عرفی طلب از طینت غالب
جام دگران بادۂ شیراز نہ دارد

(۱۳۷)

(۱) نگہی کش بہ ہزار آب نشویند ز اشک
محرم جلوۂ آن صبح بنا گوش مباد

(۲) ہوس چادر گل گرتہ خاکم باشد
خاکم از نقش کف پای تو گل پوش مباد

(۳) رہرو بادیۂ شوق سبک سیر انند
بار سر نیز درین مرحلہ بر دوش مباد

(۱۳۸)

(۱) زینسان کہ خو گرفتۂ عاشق کشیست حسن
مرشمع را شکایت فانوس می رسد

(۲) خود پیش خود کفیل گرفتاری من ست
ہردم بہ پرسش دل مایوس می رسد

(۴) ہر عاشق دوست کے سلوک کا شکر گزار نظر آتا ہے شاید اسد نے نگاہ غلط انداز نہیں ڈالی (ورنہ قدرِ عافیت معلوم ہو جاتی)

(۵) عرفی کے کلام کی سرشاری اگر تلاش کرتے ہو تو غالب کے یہاں ملے گی ۔ دوسروں کے جام میں بادۂ شیراز کہاں ۔

(۱۳۷)

(۱) خدا کرے کہ وہ نگاہ جس کو آنسوؤں کے ہزار پانی سے نہ دھویا جائے محبوب کے بناگوش (کان کی لو) کی صبح کے جلوے سے محروم رہے۔ صباحت کے لحاظ سے بناگوش کو صبح سے تشبیہ دی ہے ۔

(۲) اگر مجھے مرنے کے بعد قبر میں پھولوں کی چادر کا ارمان ہو تو میری خاک تیرے نقش قدم سے گل پوش نہ ہو ۔

(۳) صحرائے محبت کے مسافر سفر میں ہلکے رہتے ہیں ۔ اس مرحلے میں اگر سر کا بوجھ بھی دوش پر نہ ہو تو اچھا ہے ۔

(۱۳۸)

(۱) جب کہ حسن عاشقوں کو قتل کرنے کا عادی ہے تو شمع کو فانوس کی شکایت کرنے کا حق پہونچتا ہے (چوں کہ فانوس کی وجہ سے شمع کو پروانہ کشی کا موقع نہیں ملتا)

(۲) محبوب خود اپنے نزدیک میری اسیری کا ذمہ دار ہے یہی وجہ ہے کہ ہر گھڑی وہ (یا اس کا خیال) میرے دل مایوس کی پرسش حال کے لئے آتا ہے ۔

(۱۳۹)

(۱) محبت ہرچہ با آن تیشہ زن کرد از ستم نبود
چنین افتد چو عاشق سخت و شاہد نازنین باشد
(۲) نسوزد بر خودم دل گر بسوزد برق خرمن را
کہ دانم آنچہ از من رفت حق خوشہ چین باشد

(۳) از آن گردی کہ در راہش نشیند بر رخم غالب
چہ خیزد چون ہم از من رخ ہم از من آستین باشد

(۱۴۰)

(۱) از رشک کرد آنچہ بمن روزگار کرد
در خستگی نشاط مرا دید خوار کرد
نومیدی از تو کفر و تو راضی نہ ای بکفر
نومیدیم دگر بتو امیدوار کرد

(۱۴۱)

(۱) بشرع آویز و حق میجو کم از مجنون نہ ای باری
دلش با محمل است اما زبان با ساربان دارد

(۱۳۹)

(۱) عشق نے اس تیشہ زن (فرہاد) کے ساتھ جو سلوک کیا اس کو ظلم نہیں کہہ سکتے۔ جب عاشق سخت اور محبوب نازنین ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے

(۲) اگر برق خرمن کو جلادے تو بھی میرا دل مغموم نہیں ہوتا کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ میرے ہاتھ سے جاتا رہا وہ میرا نہیں بلکہ خوشہ چیں کا حق تھا۔

(۳) غالب اس گرد سے جو دوست کی راہ میں میرے چہرے پر پڑے، مجھے کیا حاصل۔ جب کہ چہرہ بھی میرا اور آستین بھی میری (یعنی اگر دوست کی آستین ہوتی تو کچھ اور بات ہوتی۔)

(۱۴۰)

(۱) زمانے نے میرے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کی بنا رشک تھی۔ کہ اس نے مجھے خستہ حالی میں بھی خوش پایا اس لیئے ذلیل کردیا۔

(۲) تجھ سے ناامیدی کفر ہے اور تو کفر سے راضی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ناامیدی نے مجھے پھر تیرے کرم کا امیدوار کردیا۔

(۱۴۱)

(۱) شریعت کو بھی مضبوط پکڑ۔ اور خدا کو بھی پانے کی کوشش کر تو مجبور ہے گیا گذرا نہیں ہے جس کا دل محمل میں ہوتا تھا لیکن ساربان سے ہم سخن رہتا تھا۔

(۱۴۲)

(۱) با من میاویز ای پدر فرزند آزر را نگر
ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگان خوش نکرد

(۲) غالب بفن گفتگو نازد بدین ارزش کہ او
ننوشت در دیوان غزل تا مصطفےٰ خان خوش نکرد

(۱۴۳)

(۱) قدر مشتاقان چہ داند درد ما چندش بود
آنکہ دایم کار باد لبہای خورسندش بود

(۲) آنکہ از تنگی بخاموشی دل از ما می برد
وای گر چون ما زبان نکتہ پیوندش بود

(۳) ہیچ دانی این ہمہ شور عتاب از بہر چیست
تا جگرہا تشنۂ موج شکرخندش بود

(۴) آنکہ خواہد در صف مردان بقای نام خویش
خون دشمن سرخ تر از خون فرزندش بود

(۱۴۲)

(۱) اے پدر مجھ سے بحث نہ کر اور فرزند آذر (حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ) کی مثال دیکھ کہ جو کوئی اہل نظر ہوتا ہے وہ اپنے بزرگوں کے طریقے کو پسند نہیں کرتا۔

(۲) غالبؔ فن شعر میں اس مرتبے پر نازاں ہے کہ اس نے اپنے دیوان میں اس وقت تک غزل نہیں لکھی جب تک مصطفیٰ خاں شیفتہ نے اس کو پسند نہیں کیا۔

(۱۴۳)

(۱) جس کو ہمیشہ خوش دل لوگوں سے کام پڑتا ہو اس کو عاشقوں کی کیا قدر اور ان کے درد کا کیا احساس۔

(۲) جو حسین خاموش رہ کر بھی اپنی رعنائی سے ہمارا دل چھین لیتا ہے اگر اس کو ہماری سی نکتہ آفرین زبان ملے تو کیا حال ہو۔

(۳) جانتے ہو معشوق کے عتاب کا یہ ہنگامہ کس لئے ہے اس کی غرض یہ ہے کہ عاشق اس کی موج تبسم کے پیاسے ہوں۔

(۴) جو شخص مردان عالم کی صف میں اپنے نام کی بقا چاہتا ہے اس کو لازم ہے کہ دشمن کی جان کو اولاد کی جان سے کم نہ سمجھے۔ (دشمن کو اولاد کی طرح عزیز رکھے)

(۱۴۴)

(۱) مهرخواری بسکه سرگرم تلاشم کرده اند
پایه‌ای نزدیک در هر دور باشم کرده اند

(۲) چرخ هر روزم غم فردا بخوردن می دهد
تا قیامت فارغ از فکر معاشم کرده اند

(۳) هرچه از بی طاقتی مزد ثباتم داده اند
هرچه از اندوه صرف انتعاشم کرده اند

(۴) از تف داغت بدل دوزخ سرشتم خوانده اند
وز دم تیغت بتن مینو قماشم کرده اند

(۵) هم بصحرای جنون مجنون خطابم داده اند
هم بکوه بیستون خارا تراشم کرده اند

(۶) چشم نبوم از چه رو خارم بجیب افشانده اند
دل نباشم تا چرا رزق خراشم کرده اند

(۷) از چه غالب خواجگیهای جهان ننگ منست
گر نه با سلمانؑ و بوذر خواجه تاشم کرده اند

(۴۴)

(۱) مجھ کو جست و جو کا ذوق اس لئے دیا ہے کہ ذلیل و خوار پھرتا پھروں۔ تاہم ہر دُور باش میں کچھ نہ کچھ دوست سے قریب ہو جاتا ہوں۔

(۲) آسمان ہر روز غمِ فردا مجھے کھانے کے لئے دیتا ہے اس طرح قیامت تک مجھے فکرِ معاش سے فراغت مل گئی۔

(۳) مجھے جو ناتوانی ملی ہے یہ میرے ثبات کا انعام ہے اور جو غم نصیب ہوا ہے وہ میرے لئے آرام کا عوض ہے۔

(۴) تیرے داغ کی گرمی سے میرے دل میں دوزخ کی سی کیفیت ہے اور تیری تلوار کے وار سے میرے بدن پر جنت کی بہار کا سماں ہے (زخموں کو جنت کی بہار کہا گیا ہے)

(۵) صحرائے جنوں میں مجھے مجنوں کا خطاب ملا ہے اور کوہ بے ستون میں مجھے فرہاد کا منصب عطا ہوا ہے۔

(۶) میں آنکھ نہیں ہوں۔ پھر میرے گریبان میں کانٹے کیوں ہیں میں دل نہیں ہوں پھر مجھے خراش کا تختۂ مشق کیا بنایا گیا ہے۔

(۷) غالب اگر مجھے سلمانؓ اور ابوذرؓ کی خواجہ تاشی حاصل نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ دنیا کی خواجگی کو اپنے لئے عار سمجھتا ہوں۔

لے سلمانؓ اور ابوذرؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے اور حضرت علیؓ کے بڑے جاں نثار تھے اس بنا پر غالب نے اپنے آپ کو ان دونوں کا خواجہ تاش کہا ہے۔ ۱۲

(۱۴۵)

(۱) نهم جبین بدرش آستان به گرداند
نشیمش بسر رهِ عنان به گرداند

(۲) به بزمِ باده به ساقی گری از وچه عجب
که پیر صومعه را درمیان به گرداند

(۳) تو نالی از خلهٔ خارو تنگری که سپهر
سرِ حسینِ علیؑ برسنان به گرداند

(۴) برو به شادی و اندوه دل منه که قضا
چو قرعه بر نمط امتحان به گرداند

(۵) یزید را به بساط خلیفه بنشاند کلیم را به لباس شبان به گرداند

(۶) اگر به باغ زکلکم سخن رود غالبؔ
نسیم روی گل از باغبان به گرداند

(۱۴۶)

(۱) چوزه به قصد نشان برکمان بجنباند
تپد ز رشک دلم تا نشان به جنباند

(۲) دعا کدام و چه دشنام تشنهٔ سخنیم
به کام ماست زبان چون زبان بجنباند

(۱۴۵)

(۱) جب میں اس کے در پر پیشانی رکھتا ہوں تو وہ اپنا آستانہ بدل دیتا ہے اور جب میں اس کی راہ میں آکر بیٹھتا ہوں تو گھوڑے کی باگ دوسری طرف موڑ دیتا ہے۔

(۲) جب محبوب بزم شراب میں ساقی گری کرے تو کچھ بعید نہیں کہ پیر خانقاہ کو خدام کی طرح دوڑائے۔

(۳) اے مخاطب تجھ سے ایک پھانس کی تکلیف اٹھائی نہیں جاتی حالانکہ آسمان امام حسین (جیسی مقدس ہستی) کا سر نیزے پر پھراتا ہے۔

(۴ و ۵) دنیا کے عیش و غم پر نہ جا۔ کیوں کہ تقدیر جب آزمائش پر آمادہ ہوتی ہے تو یزید کو مسند خلافت پر جگہ دیتی ہے اور کلیم کو چرواہے کے لباس میں پھراتی ہے۔

(۶) غالبؔ اگر میرے خامۂ رنگین کا باغ میں ذکر چھڑ جائے تو نسیم گل کو باغبان سے بیزار کر دے گی۔

(۱۴۶)

(۱) جب محبوب کسی نشانہ بنانے کے لئے کمان چلے پر چڑھاتا ہے تو میرا دل رشک سے اس قدر تڑپتا ہے کہ نشانہ بل جاتا ہے۔

(۲) کیسی دعا کہاں کی دشنام۔ ہم تو اس کی بات کے مشتاق ہیں جب وہ زبان ہلاتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ (خواہ دعا ہو یا دشنام) ہمارا مقصد ہر طرح حاصل ہے۔

(۱۴۷)

(۱) تیغت ز فرق تا بہ گلویم رسیده باد
شوخی ز حد گذشت زبانم بریده باد

(۲) گر رفته‌ام ز کوی تو آسان نرفته‌ام
این قصه از زبانِ عزیزان شنیده باد

(۳) نغزی و خود پسند بہ بینم چه میکنی
یارب بدہر ہم چو تو یی آفریده باد

(۴) ذوقیست ہمدمی بفغان بگذرم ز رشک
خارِ رہت بپای عزیزان خلیده باد

(۵) چون دیده پای تا بسرم تشنه کیست
دل خون شواد و از بن ہر مو چکیده باد

(۱۴۸)

(۱) در تیغ زدن منت بسیار نہادند
بردند سر از دوش و سبکدوش نه کردند

(۲) داغ دل ما شعله فشان ماند بہ پیری
این شمع شب آخر شد و خاموش نه کردند

(۳) گر داغ نہادند و گر درد فزودند
نازم کہ بہ ہنگامه فراموش نه کردند

(۱۴۷)

(۱) کاش تیری تیغ میرے سر سے گذر کر حلق تک پہونچ جائے ارے میں کیا کہہ گیا۔ میری گستاخی حد سے گذر گئی یہ زبان کٹ جائے تو اچھا ہے۔

(۲) اگر میں تیرے کوچہ سے گیا بھی ہوں تو بڑی مشکل سے گیا ہوں۔ یہ داستان مجھ سے نہیں بلکہ دوسروں کی زبان سے سننے کے قابل ہے

(۳) تو حسین بھی ہے اور مغرور بھی۔ خدا کرے دنیا میں تجھ سا کوئی اور پیدا ہوجائے تو دیکھیں کہ پھر تو کیا کرے گا۔

(۴) آہ و نالہ میں کسی ہمدم کا شریک ہوجانا بڑے لطف کی بات ہے میں رشک سے باز آیا۔ کاش تیری راہ کے کانٹے عزیزوں کے پاؤں میں بھی چبھیں۔

(۵) آنکھ کی طرح میں سر سے پاؤں تک کسی کے دیدار کا پیاسا ہوں کاش میرا دل خون ہوجائے اور بدن کے ہر رونگٹے سے ٹپکنے لگے۔

(۱۴۸)

(۱) قاتل نے تیغ چلائی۔ اور الٹا مجھ پر احسان رکھ دیا۔ سر کا بوجھ تو اتارا مگر احسان کا بوجھ ڈال دیا۔

(۲) ہمارے دل کا داغ پیری میں شعلہ فشاں ہے تعجب ہے کہ رات آخر ہونے کو آئی مگر یہ شمع خاموش نہ ہوئی۔

(۳) محبوب نے داغ دیا ہو یا درد۔ پھر بھی مجھے ناز ہے کہ اس نے ہنگامہ عشق میں مجھے فراموش نہیں کیا

(۴) گر خود بہ غلامی نہ پذیرند گدا باش
بر در بزن آن حلقہ کہ در گوش نکردند

(۱۴۹)

(۱) تاجر شوق بدان رہ بہ تجارت نہ رود
کہ رہ انجامد و سرمایہ بغارت نہ رود

(۲) تو بیک قطرۂ خون ترک وضوگیری و ما
سیلِ خون از مژہ رانیم طہارت نہ رود

(۳) رمز شناس کہ ہر نکتہ ادائی دارد
محرم آنست کہ رہ جز باشارت نہ رود

(۴) اگر دوست غلامی میں قبول نہ کرے تو اس کی گدائی اختیار کرو اور جو حلقہ کہ اس نے تیرے کان میں نہیں ڈالا۔ اس کو اس کے دروازے پر مارو[۱]۔

(۱۴۹)

(۱) عشق کا تاجر اس جگہ تجارت کی غرض سے نہیں جاتا جہاں راستہ ختم ہو جائے اور سرمایہ درمیان میں غارت نہ ہو۔

(۲) تو ایک قطرہ خون نکلنے پر وضو توڑ دیتا ہے اور ہمارا یہ حال ہے کہ آنکھوں سے خون کا سیل بہاتے ہیں۔ اور طہارت میں فرق نہیں آتا۔

(۳) بھید کو سمجھنے کی کوشش کر کیوں کہ ہر نکتے میں ایک بات نکلتی ہے اور محرم راز وہی ہے جو اشاروں پر چلے[۲]

---

[۱] حلقہ بگوش غلام کو کہتے ہیں اور حلقہ در کو مارنا اطلاع کرنے کے لئے مستعمل ہے۔

[۲] چاک مت کر جیب بے ایّام گل کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہئے۔

ردیف "س"

(۱۵۰)

(۱) بتی دارم ز تنگی روزگاران خو بهاران بر
به مستی خویش را گردار و گوی از هوشیاران بر

(۲) مراگویی که تقوی ورز قربانت شوم خود را
بیارای و به خلوت خانهٔ تقوی شعاران بر

(۳) ندارد شیر و خرما ذوق صهبا رحم می آید
نشاط عید از ما هدیه سوی روزه داران بر

(۴) پشیمان می شوی از ناز بگذر زین گران جانان
دل از دلدادگان جوی و قرار بیقراران بر

(۱۵۱)

(۱) شوخی خوی ترا قاعده دانست خزان
خوبی روی ترا آیینه دارست بهار

(۲) خارها در ره سودازدگان خواهد ریخت
ورنه در کوه و بیابان بچه کارست بهار

ردیف "س"

(۱۵۰)

(۱) میرا محبوب شوخی میں زمانے کی سی عادت اور بہار کا سا جسم رکھنے والا ہے جو مستی میں بھی اپنے آپ کو لئے دیئے رہتا اور ہوشیاروں سے سبقت لے جاتا ہے۔

(۲) تو مجھ سے کہتا ہے کہ پرہیزگاری اختیار کر۔ میں تیرے قربان جاؤں کسی روز بن سنور کر پرہیزگاروں کے خلوت خانے میں جا۔ (اور دیکھ کہ ان پر کیا گزرتی ہے)

(۳) شیر وخرما میں شراب کی سی کیفیت کہاں۔ مجھے روزہ داروں پر رحم آتا ہے (اے مخاطب) عید کا سرور (شراب) میری طرف سے ان کی خدمت میں بطور ہدیہ لے جا۔

(۴) تو ناز کر کے ناحق پشیمان ہوتا ہے ان سخت جانوں (عاشقوں) کا خیال چھوڑ، دل داروں کا دل لے اور بے قراروں کا قرار چھین لے۔

(۱۵۱)

(۱) خزاں تیری طبیعت کی شوخی کی مزاج دان ہے اور بہار تیرے عارض کے حسن کی آئینہ دار ہے۔

(۲) معلوم ہوتا ہے کہ بہار دیوانوں کی راہ میں کانٹے بکھیرے گی۔ ورنہ کوہ و بیاباں میں اس کا کیا کام؟

(۱۵۴)

(۱) بیا و جوشش تمنای دیدنم بنگر
چو اشک از سر مژگان چکیدنم بنگر
(۲) ز من به جرم تپیدن کناره می‌کردی
بیا به خاک من و آرمیدنم بنگر
(۳) شنیده ام که نه بینی و نا امیدنیم
نه دیدن تو شنیدم کشنیدنم بنگر

(۴) دمید دانه و بالید و آشیانگر شد
در انتظار هما دام چیدنم بنگر

(۵) نیازمندی حسرت کشان نمی دانی
نگاه من شو وز دیده دیدنم بنگر
(۶) اگر هوای تماشای گلستان داری
بیا و عالم در خون تپیدنم بنگر
(۷) بهار من شو و گل گل شگفتنم دریاب
به خلوتم برو ساغر کشیدنم بنگر
(۸) تواضعی نه کنم بی تواضعی غالب
بیا و خم تیغش خمیدنم بنگر

(۱۵۲)

(۱) آ میرے شوق دیدار کا جوشش دیکھ کہ میں آنسوؤں کی طرح پلکوں کے راستے ٹپکنے کو تیار ہوں۔

(۲) تو مجھ سے میرے تڑپنے کے جرم پر کتراتا تھا اب میری قبر پر آ اور دیکھ کہ مجھے تڑپنے سے کیسا چین مل گیا ہے۔

(۳) میں نے سنا ہے کہ تو مجھے دیکھنے نہیں آئے گا۔ اور پھر بھی میں مایوس نہیں۔ میں نے تیرے نہ دیکھنے کی خبر تو سُن لی۔ اب تو میرے سننے کو دیکھ (کہ میں سب کچھ سُن کر بھی آس لگائے بیٹھا ہوں)

(۴) ہُما کے انتظار میں میرا جال بچھانا دیکھنے کے قابل ہے کہ جال کے اندر جو دانے تھے وہ اتنی مدت میں اُگ آئے اور بڑھتے بڑھتے درخت بن گئے، کہ شاید کبھی ہُما آکر اس میں آشیاں بنائے۔

(۵) تو حسرت نصیبوں کی نیازمندی سے واقف نہیں۔ میری نگاہ بن جا اور چوری چوری میرے دیکھنے پر نظر کر۔

(۶) اگر تجھے سیر باغ کی خواہش ہے تو آ۔ اور خون میں میرے تڑپنے کا تماشا دیکھ۔ علہ

(۷) میری بہار بن جا اور میرے باغ باغ ہونے کا مشاہدہ کر۔ مجھے اپنی خلوت میں بار دے اور میرا جام چڑھانا دیکھ۔

(۸) غالبؔ میں اس وقت انکسار کرتا ہوں جب کوئی دوسرا انکسار سے پیش آتا ہے یہی وجہ ہے کہ میں قاتل کی تیغ کا خم دیکھ کر خود بھی جھک جاتا ہوں۔

علہ۔ انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا اُٹھے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

(۱۵۳)

(۱) بمرگ من که پس از من بمرگ من یاد آر
بجوی خویشتن آن نعش بی کفن یاد آر
(۲) من آن نیم که ز مرگم جهان بهم بخورد
فغان زاہد و فریاد برہمن یاد آر
(۳) بساز نالہ گروہی ز اہل دل دریاب
بہ بند مرثیہ جمعی ز اہل فن یاد آر
(۴) ھزار خستہ و رنجور در جہان داری
یکی ز غالب رنجور خستہ تن یاد آر

(۱۵۴)

(۱) از گریۂ من تا چہ سر ایند ظریفان
زین خندہ کہ دارم بہ تمنای اثر بر

(۱۵۵)

(۱) ای دل از گلبن امید نشانی بمن آر
نیست گر تازہ گلی برگ خزانی بمن آر

(۱۵۳)

(۱) میری قسم میرے بعد میری موت کو یاد کر لینا اور اپنے کوچہ میں میری بے کفن لاش کو فراموش نہ کرنا۔

(۲) میں ایسا نہیں کہ میرے مرنے پر دنیا میں تہلکہ نہ پڑ جائے۔ میری موت پر زاہد کا نوحہ اور برہمن کی فریاد یاد رکھنا

(۳) بام و در پر پیر و جواں کا ہجوم اور گلی کوچے میں مردوں عورتوں کا غم کرنا یاد کر لینا۔

(۴) اہل دل کا ایک گروہ نالہ و فغاں میں مصروف ہوگا اور اہل فن کی ایک جماعت مرثیہ لکھنے میں مشغول ہوگی۔

(۵) دنیا میں ہزاروں خستہ و رنجور تیرے نام لیوا ہیں کبھی غالب خستہ و رنجور کو بھی یاد کر لینا۔

(۱۵۴)

(۱) مجھے اثر کی تمنا پر جو ہنسی آتی ہے اس پر آخر میں کس قدر رونا پڑیگا اور ظریف لوگ اس کے متعلق کیا کیا چہ می گوئیاں کریں گے۔

(۱۵۵)

(۱) اے دل امید کے گلبن کو کوئی نشانی مجھ تک لا۔ اگر تازہ پھول نہیں تو خزاں کی پتیاں ہی سہی۔

(۲) همدم روز گدائی سبک از جا برخیز
جان گرو جامہ گرو رطل گرانی بہ من آر

(۳) یارب این مایہ وجود از عدم آوردۂ تست
بوسۂ چند ہم از کنج دہانی بہ من آر

(۴) سخن سادہ دلم را نہ فریبد غالب
نکتۂ چند ز پیچیدہ بیانی بہ من آر

(۱۵۶)

(۱) یا پایۂ آرزو بیفزای
یا خواہش ما ز در در آور

(۲) عمری ز ہلاک تلخ تر رفت
مرگی ز حیات خوشتر آور

(۳) در زان کہ ہیچ من نیرزیم
ما را بربای و دیگر آور

(۴) ای ساختہ غالب از نظیری
ما قطرہ ربای گوہر آور

(۱۵۷)

(۱) ای ذوق نواسنجی بازم بخروش آور
غوغای شبیخونی بر بنگہ ہوش آور

(۲) اے ہمدم جلد جا۔ اور خواہ کپڑے خواہ جان گروی رکھ کر میرے لئے جام شراب لا۔

(۳) یارب تیری ذات عدم سے وجود کو لانے والی ہے میرے لئے بھی کسی کے گوشۂ دہن سے چند بوسے لا۔ (دہن کو عدم کہتے ہیں)

(۴) غالب سیدھی سادھی باتیں میرے دل کو نہیں بھاتیں۔ کسی کی پیچ دار باتوں سے چند نکتے مجھے سنا۔

(۱۵۶)

(۱) یا تو آرزو کا پایہ بلند کر (کہ میں اس تک نہ پہونچ سکوں) یا میری آرزو برلا۔

(۲) جو عمر گذر رہی ہے وہ مرگ سے زیادہ تلخ ہے مجھے ایسی موت دے جو زندگی سے زیادہ خوش گوار ہو۔

(۳) اگر میں کسی قابل نہیں تو مجھ کو یہاں سے اٹھالے اور کسی دوسرے کو لے آ۔ علہ

(۴) اے قطرہ کو لے جانے والے اور اس کی جگہ موتی کو لانے والے تیری شان ہے کہ تو نے نظیری کے بعد غالب کو پیدا کیا۔

(۱۵۷)

(۱) اے ذوق نغمہ سنجی پھر مجھے آمادۂ فریاد کر اور میری فریاد سے ہوش وحواس کے لشکر کو برباد کر۔

علہ۔ یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں

(۲) هان همدم فرزانه دانی ره ویرانه
شمعی که نخواهد شد از باد خموش آور

(۳) شورابهٔ این وادی تلخست اگر رادی
از شهر بسوی من سرچشمهٔ نوش آور

(۴) دانم که زری داری هر جا گذری داری
می گر نه دهد سلطان از باده فروش آور

(۵) گاهی به سبکدستی از باده ز خویشم بر
گاهی به سیه مستی از نغمه به هوش آور

(۶) غالب که بقایش باد همپای تو گر ناید
باری غزلی فردی زان موینه پوش آور

(۱۵۸)

(۱) در گریه از بس نازکی رخ مانده بر خاکش نگر
وان سینه سودن از تپش بر خاک نمناکش نگر

(۲) اے ہمدم فرزانہ مجھے ویرانے (خرابات) کا راستہ تو معلوم ہوگا. وہاں
ہے وہ شمع لا جس کو ہوا بھی نہ بجھا سکے (مراد شراب)

(۳) اس وادی کے کھاری پانی میں تلخی ہے اگر تو فیاض ہے تو شہر سے میرے
لئے چشمہ حیات لے آ۔

(۴) میں جانتا ہوں کہ تیرے پاس زر بھی ہے اور ہر جگہ تیری رسائی بھی ہے اگر
بادشاہ شراب نہ دے تو شراب فروش سے لا۔

(۵) اگر پیر مغاں تیرے تونبے میں شراب ڈال دے تو اس کو قبول کرکے
اپنا راستہ لے اور اگر بادشاہ گھڑا بھر کر عطا کرے تو اٹھا اور کاندھے
پر رکھ کر لے آ۔

(۶) کبھی چابک دستی سے مجھے شراب پلاکر ہوش کھودے اور کبھی
بدمستی کی حالت میں نغمہ سنا کر ہوش میں لا۔

(۷) اگر غالبؔ (خدا اسے قایم رکھے) تیرے ساتھ نہ آئے تو خیر اس
پشمینہ پوش فقیر سے کوئی غزل یا فرد ہی لیتے آنا۔

(۱۵۸)

(۱) دیکھو وہ[1] گریہ وزاری میں مصروف ہے اور نزاکت کے باوجود
زمین پر سر رکھے ہوئے ہے اور جب تڑپتا ہے تو اس گیلی خاک
پر اس کا سینہ رگڑ کھاتا ہے۔

---

[1] اس غزل میں معشوق کا کسی اور پر عاشق ہونا بیان کیا گیا ہے۔

(۲) برقیکہ جانہا سوختی دل ازجفا سردش ببین
شوخیکہ خونہا ریختی دست ازحنا پاکش نگر

(۳) آن کو بخلوت باخدا ہرگز نہ کردی التجا
نالان بہ پیش ہر کسی ازجور افلاکش نگر

(۴) برمقدم صید افگنی گوشی برآوازش بہ بین
درباز گشت توسنی چشمی بفتراکش نگر

(۵) برآستان دیگری درشکر دربانش بہ بین
درکوی ازخود کمتری دررشک خاشاکش نگر

(۶) ہا خوبی چشم ودلش ہا گرمی آب وگلش
چشم گہر بارش بہ بین آہ شرر ناکش نگر

(۷) خوانده بامید اثر اشعار غالب ہر سحر
ازنکتہ چینی درگذر فرہنگ وادراکش نگر

———•(•)•———

(۲) وہ بجلی جو عاشقوں کی جان کو جلاتی ہے اب جفا سے سرد پڑگئی ہے (جفا سے بےگانہ ہے) اور وہ شوخ جو لوگوں کا خون بہاتا تھا آج کل اس کے ہاتھ حنا سے بھی محروم ہیں۔

(۳) جو تنہائی میں خدا کے سامنے بھی ہاتھ نہ پھیلاتا تھا اب وہ ہر کس وناکس کے سامنے جور فلک کی شکایتیں کرتا ہے۔

(۴) اپنے صیاد کی آمد پر اس کا گوش بر آواز ہونا اور اس کے گھوڑے کے تڑپنے پر فتراک کی جانب اس کا نظر کرنا دیکھو۔

(۵) دیکھو وہ دوسرے کے آستانے پر اس کے اس کے دربان کی خوشامد میں لگا رہتا ہے اور اپنے سے کم تر (محبوب) کے کوچے میں خس و خاشاک پر رشک کرتا ہے۔

(۶) ایک طرف اس کے دیدہ و دل کی خوبی اور دوسری طرف اس کی طبیعت کا جوش و خروش دیکھو کہ وہ کبھی آنکھوں سے موتی برساتا ہے کبھی دل سے آہ شرربار نکالتا ہے۔

(۷) وہ تاثیر کی امید میں ہر صبح کو غالبؔ کے اشعار پڑھتا ہے بجائے اس کے کہ اس پر نکتہ چینی کی جاوے اس کی عقل و دانش پر تو نظر کرو۔

ردیف "ز"

(۱۵۹)

(۱) یارب ز جنون طرح غمی در نظرم ریز
صد بادیه در قالب دیوار و درم ریز

(۲) از مهر جهانتاب امید نظرم نیست
این تشت پر از آتش سوزان بسرم ریز

(۳) هر خون که بجوش گرم شود در دلم افگن
هر برق که بیصرفه جهد بر اثرم ریز

(۴) هر جانم آبیست بمژگان ترم بخش
از قلزم و جیحون کف خاکی بسرم ریز

(۵) گیرم که به افشاندن الماس نیرزم
مشتی نمک سوده بزخم جگرم ریز

(۶) مسکین خبر از لذت آزار ندارد
خارم کن و در ره گذر چاره گرم ریز

(۷) وجهیکه به پا مزد توان داد ندارم
آبم کن و اندر قدم نامه برم ریز

ردیف "ن"

(۵۹)

(۱) یارب جنون کی بدولت میری نظر میں غموں کی دنیا بھر دے۔ اور میرے دیوار و در کی ساحت میں سو بیابان ڈال دے۔

(۲) مجھ کو آفتاب جہاں تاب سے عنایت کی امید نہیں۔ یہ جلتی ہوئی آگ کا بھرا ہوا طشت میرے سر پر اونڈیل دے۔

(۳) جو خون بے ضرورت گرم ہو جائے وہ میرے دل میں ڈال دے اور جو بجلی بلاوجہ تڑپے میرے وجود پر گرا دے۔

(۴) دنیا میں جس قدر پانی ہو میرے مژگانِ تر کو عطا کر دے اور جب قلزم و جیحون میں خاک اڑنے لگے تو اس کو میرے سر پر ڈال دے۔

(۵) میں نے مانا کہ میرے زخم الماس پاشش کے قابل نہیں۔ کم از کم پسے ہوئے نمک کی ایک مٹھی ہی میرے زخم جگر پر ڈال دے۔

(۶) چارہ گر لذت آزار سے واقف نہیں۔ اس لئے مجھے غم نے کانٹے کی طرح بنا دے۔

(۷) میرے پاس اتنی رقم نہیں کہ نامہ بر کو حق المحنت کے طور پر دوں۔ مجھے شرم سے پانی پانی کر دے اور اس کے قدموں میں ڈال دے۔

(۱۶۰)

(۱) ای شوق بما عربدہ بسیار میاموز
ابرام بدریوزۂ دیدار میاموز

(۲) ہمت ز دم تیشۂ فرہاد طلب کن
مجنون مشو و مردن دشوار میاموز

(۳) ای غمزہ ز ہم طرحی نخچیر چہ خیزد
رم شیوۂ آہوست بہ دلدار میاموز

(۴) منگر بسوی نعش من و لب مگز از ناز
جان دادنِ بیہودہ باغیار میاموز

(۱۶۱)

(۱) تا خود پس از رسیدن قاصد چہ رو دہد
خوش می کنم دلی بامیدِ خبر ہنوز

(۲) بختم ز بزم عیش بغربت فگند و من
مستم چنان کہ پا نشناسم ز سر ہنوز

(۳) شد روز رستخیز و بیاد شبِ وصال
محروم ہمان بہ لذت بیم سحر ہنوز

ای سنگ بر تو دعوی طاقت مسلمست
خود را ندیدہ ای بکف شیشہ گر ہنوز

(۱۶۰)

(۱) اے شوق مجھے زیادہ جحت و تکرار نہ سکھا کہ میں دیدار دوست کی گدائی کرنے کے لئے پیچھے پڑ جاؤں۔

(۲) تیشۂ فرہاد سے ہمت طلب کر۔ اور مجنون نہ بن کہ مردن دشوار سے سابقہ پڑے۔

(۳) اے ناز و غمزہ شکار کی ہم سری بے کار ہے وحشت کرنا تو ہرن کا شیوہ ہے۔ دل دار کو نہ سکھا۔

(۴) میری نعش کو دیکھ کر ناز سے ہونٹ نہ چبا۔ اور اس طرح بے دھڑک جان دینے کی رسم رقیبوں کو نہ سکھا۔

(۱۶۱)

(۱) دیکھئے قاصد کے آنے کے بعد کیا گذرتی ہے ابھی تو میں دوست کی خبر کی امید پر دل بہلا رہا ہوں۔

(۲) مقدر نے مجھے بزم عیش سے پردیس میں لا ڈالا۔ مگر میری مستی کا یہ حال ہے کہ ہنوز سر اور پاؤں کا ہوش نہیں۔

(۳) قیامت کا دن آگیا اور میں اب تک شب وصال کی یاد میں صبح کے خوف کی لذت میں محو ہوں۔

(۴) اے پتھر تجھے طاقت کا دعویٰ اس وقت زیبا دیتا ہے جب تک تو اپنے آپ کو شیشہ گر کے ہاتھ میں نہ پائے (پتھر سے شیشہ بناتے ہیں)

(۱۶۴)

(۱) یقین عشق کن وازسر گمان برخیز
به آشتی بنشین یا به امتحان برخیز

رقیب یافته تقریب رخ بپاسودن
ترا که گفت که از بزم سرگران برخیز

عیادت است نه پرخاش تندخوئی چیست
بیا و غمزده بنشین ولب گزان برخیز

(۱۶۲)

(۱) عشق کا یقین کر اور بدگمانی چھوڑ۔ یا تو آشتی کے ساتھ آکر بیٹھ یا امتحان کے لئے اٹھ۔

(۲) تجھ سے کس نے کہا تھا کہ ناگواری کے ساتھ محفل سے اٹھ جا۔ تیرے اٹھنے سے رقیب کو تیرے قدموں سے منہ ملنے کا موقع مل گیا۔

(۳) تو عیادت کے لئے آیا ہے لڑنے کے لئے نہیں آیا۔ بدمزاجی کی کیا ضرورت ہے آ اور غمزدوں کی طرح بیٹھ اور (رنج سے) ہونٹ چباتا ہوا اٹھ جا

ردیف "س"

(۱۶۳)

(۱) دوغ تلخ گویانم لذت سم از من پرس
محو تند خویانم حیرت رم از من پرس

(۲) موجی از شرابستم تختی از کبابستم
شور من ہم از من جوی سوز من ہم از من پرس

(۳) نیست باغنودنہا برگ پرکشودنہا
از عدم برون آمد سعی آدم از من پرس

(۴) نفس چون زبون گردد دیو را بفرمان گیر
محرم سلیمانم نقش خاتم از من پرس

(۵) بوسہ از لبانم دہ عمر خضر از من خواہ
جام می بہ پیشم نہ عشرت جم از من پرس

(۶) تیغ غمزہ با اغیار انچہ کرد می دانی
خنجر تغافل را تیزی دم از من پرس

(۷) خلد را نہادم من لطف کوثر از من جوی
کعبہ را سوادم من شور زمزم از من پرس

ردیف "س"

(۱۶۳)

(۱) میں کڑوی باتیں کرنے والوں کی حرکات سے جل گیا ہوں۔ زہر کا مزا مجھ سے پوچھو۔ میں تندخو حسینوں کی یاد میں محو ہوں۔ ان کی وحشت پر مجھے جو حیرت ہے وہ میں ہی خوب جانتا ہوں۔

(۲) میری مثال موج شراب کی سی یا پارۂ کباب کی سی ہے میرا جوش مجھ سے ہی دریافت کرو۔ اور میرا سوز مجھی سے پوچھو۔

(۳) انسان اگر آرام سے سوتا ہے تو اس کو اپنی صلاحیتوں کے اجاگر کرنے کا موقع ہرگز نہیں ملتا۔ حضرت آدمؑ کی سعی کا حال مجھ سے پوچھو کہ وہ ملک عدم سے کیوں باہر آئے۔

(۴) اگر نفس مغلوب ہو جائے تو دیو بھی مطیع ہو جاتا ہے میں سلیمانؑ کا محرم راز ہوں ان کی انگشتری کے نقش کی حقیقت مجھ سے پوچھو

(۵) مجھ کو بوسۂ لب دے اور مجھ سے عمر خضر کی توقع رکھ۔ جام شراب میرے روبرو لا۔ اور عیش جم کا حال مجھ سے پوچھ۔

(۶) تیرے غرور و غمزے کی تلوار نے رقیبوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ تو جانتا ہوگا۔ البتہ تغافل کے خنجر کی تیزی کی کیفیت مجھ سے پوچھ۔

(۷) میری فطرت جنت کی طرح پاکیزہ ہے کوثر کی لطافت کی مجھ سے جستجو کر۔ میں کعبے کا ہم رتبہ ہوں۔ زمزم کا مزہ مجھ سے پوچھ۔

(۱۶۴)

(۱) کاشانه نشین عشوه گری را چه کند کس
بی فتنه سره گذری را چه کند کس

(۲) در هدیه دل و دین بصد ابرام پذیرد
منت به سرمایه بری را چه کند کس

(۳) با خویشتن از رشک مدارا نتوان کرد.
در راه محبت خضری را چه کند کس

(۴) آن نیست که صحرای سخن جاده ندارد
واژون روش کج نگری را چه کند کس

(۱۶۵)

(۱) در راه عشق شیوهٔ دانش قبول نیست
حیف ست سعی ره رو پا از جبین شناس

(۲) بی غم نهاد مرد گرامی نمی شود
زنهار قدر خاطر اندوه گین شناس

(۱۶۶)

(۱) تیغ از نیام بیهده بیرون نه کرده کس
ما را به هیچ کشته و ممنون نه کرده کس

(۱۶۴)

(۱) ایسے ناز و انداز والے کو جو پردہ نشین ہے لے کر کوئی کیا کرے اور ایسی رہ گزر جو فتنہ و شر سے خالی ہو اس سے کسی کو کیا فائدہ۔

(۲) وہ دل و دین کا تحفہ قبول بھی کرتا ہے تو بڑے اصرار کے بعد۔ ایسے سرمایہ لوٹنے والے کی جو الٹا احسان رکھے کیا تدبیر کی جائے۔

(۳) رشک کے معاملے میں اپنے آپ کو بہلانا مشکل ہے محبت کی راہ میں کوئی خضر (رہنما) کو لے کر کیا کرے (یعنی خضر پر بھی رشک آتا ہے)

(۴) ایسا نہیں ہے کہ شعر و سخن کے صحرا میں کوئی راستہ نہ ہو لیکن ٹیڑھی چال چلنے والے اور کج نظر رکھنے والے کا کیا علاج۔

(۱۶۵)

(۱) عشق کی راہ میں دانائی کا شیوہ مقبول نہیں۔ ایسے رہ رو پر افسوس ہے جو سر اور پاؤں میں امتیاز رکھتا ہو۔

(۲) غم اٹھائے بغیر انسان کی فطرت بلند نہیں ہوتی۔ اس لئے خاطر مغموم کی قدر کرنا لازم ہے۔

(۱۶۶)

(۱) کسی نے (معشوق نے) بے ضرورت تلوار میان سے نہیں نکالی مجھے تلوار کے بغیر ہلاک کر دیا۔ اور ممنون احسان بھی نہ کیا۔

(۲) یارب بزاہدان چہ دہی خلد رایگان
جور بتان نہ دیدہ و دل خون نہ کردہ کس

(۳) غالب ز حسرتی چہ سرائی کہ در غزل
چون او تلاش معنی و مضمون نہ کردہ کس

(۲) یارب تو زاہدوں کو مفت جنت دیتا ہے حالانکہ ان میں سے کسی نے نہ حسینوں کے ظلم سہے۔ اور نہ دل خون کیا۔

(۳) غالب حسرتی (شیفتہ) کا کیا کہنا کہ غزل میں ان کی طرح معانی و مضمون کی تلاش کسی نے نہیں کی۔

ردیف "ش"

(۱۶۷)

(۱) بعرض شہرت خویش احتیاج ما دارد
چو شعلہ ایکہ نیاز او قند بخار و خسش

(۲) خوشا کہ دوست خود آن مایہ بیوفا باشد
کہ در گمان نہ سگالم امیدگاہ کشش

بہار ہیشہ جوانی کہ غالبش نامند
کنون بہ بین کہ چہ خون می چکد ز ہر نفسش

(۱۶۸)

(۱) دود سودای تتق بست آسمان نامیدمش
دیدہ بر خواب پریشان زد جہان نامیدمش

(۲) غربتم ناسازگار آمد وطن فہمیدمش
کرد تنگی حلقۂ دام آشیان نامیدمش

(۳) بود در پہلو بتمکینی کہ دل می گفتمش
رفت از شوخی بہ آیینی کہ جان نامیدمش

ردیف "ش"

(۱۶۷)

(۱) محبوب اپنی شہرت کے لئے ہم عاشقوں کا محتاج ہے جس طرح شعلہ کو خار و خس کی حاجت ہوتی ہے۔

(۲) میں اس بات سے راضی ہوں کہ محبوب اس قدر بے وفا ہو کہ کوئی تصور میں بھی اس سے امید نہ باندھے۔

(۳) وہ باغ و بہار جوان جس کو غالب کہتے ہیں اب دیکھو کہ اس کی ہر سانس سے کیسا خون ٹپکتا ہے۔ ؁

(۱۶۸)

(۱) جنون میں (آہوں کا) دھواں چھا گیا جس کو میں نے آسمان کہا اور آنکھوں نے ایک خواب پریشان دیکھا جس کو میں نے دنیا قرار دیا۔

(۲) پردیس مجھے موافق نہ آیا۔ تو میں اس کو وطن سمجھا۔ جال کا حلقہ سمٹ کر رہ گیا تو میں نے اس کو آشیانے کا نام دیا۔

(۳) دوستِ پہلو میں اس تمکین کے ساتھ رہ کر میں اس کو اپنا دل سمجھا۔ اور شوخی سے اس طرح چلا گیا کہ میں نے اس کو جان خیال کیا۔

؁ کر دیا ضعف نے عاجز غالب   ننگِ پیری ہے جوانی میری

(۴) تا نهم بروی سیاهی خدمتی از خویشتن
بود صاحب خانه اما میهمان نامیدمش

(۵) دل زبان را رازدان آشنایی‌ها نخواست
گاه میهمان گفتمش گاهی فلان نامیدمش

(۶) در سلوک از هرچه پیش آمد گذشتن داشتم
کعبه دیدم نقش پای رهروان نامیدمش

(۷) بود غالب عندلیبی از گلستان عجم
من ز غفلت طوطی هندوستان نامیدمش

(۱۶۹)

(۱) نه از مهر سست گر غالب بمردن نیستی راضی
سست گردم تو می ... نه مردن نیست دشوارش

(۱۷۰)

(۱) به فیض شرع بر نفس مزور یافتم دستی
چو آن دزدی که گیرد شحنه ناگاهان بمهتابش

(۴) وہ صاحب خانہ تھا لیکن میں نے اس خیال سے کہ اس پر اپنی خدمت کا احسان جتاؤں اسے مہمان قرار دیا۔

(۵) دل نے زبان کو دوست کے راز سے آگاہ کرنا پسند نہ کیا۔ اس وجہ سے جب اس کا ذکر آیا تو اس کو فلاں فلاں سے تعبیر کیا۔

(۶) طریقت میں جو منزل بھی آئی میں اس سے گذر گیا جب میں نے کعبہ کو دیکھا تو اس کو رہروں کا نقش پا سمجھا۔

(۷) غالبؔ عجم کے باغ کی بلبل تھا مگر میں نے نادانی سے اس کو طوطیٔ ہند کے نام سے پکارا۔

(۱۶۹)

(۱) اگر غالبؔ کے مرنے پر راضی نہیں ہے تو یہ تقاضائے محبت نہیں میں تیرے قربان جاؤں تو واقف ہے کہ اس کے لئے مرنا مشکل نہیں ہے۔

(۱۷۰)

(۱) شرع کی برکت سے نفس حیلہ ساز پر قابو پایا۔ جیسے چاندنی کی مدد سے کوتوال چور کو اچانک پکڑ لیتا ہے۔

ردیف "ط"

(۱۷۱)

(۱) غنچہ را نیک نظر کردم ادائی دارد
وینکہ مانند بہ دہانِ تو غلط بود غلط

ردیف "ط"

(۱۶۱)

(۱) میں نے غنچہ کو غور سے دیکھا بے شک اس میں ایک ادا نکلتی ہے رہی یہ بات کہ وہ تیرے دہن سے مشابہ ہے سراسر غلط ہے۔

ردیف "ظ"

(۱۷۲)

(۱) درہم فگندہ ایم دل و دیدہ را ز رشک
چون جنگ، با خود ست ز فتح و ظفر چہ حظ

(۲) دلہای مردہ را بہ نشاط نفس چہ کار
گلہای چیدہ را ز نسیم سحر چہ حظ

(۳) تا فتنہ در نظر نہ نہی از نظر چہ سود
تا دشنہ بر جگر نخوری از جگر چہ حظ

ردیف "ظ"

(۱۷۲)

(۱) میں نے رشک کی وجہ سے دل و دیدہ کو باہم لڑا دیا۔ جب جنگ اپنی ذات سے ہے تو فتح و ظفر کا کیا لطف ہے۔

(۲) جو دل مرجائے اس کو نشاط سے کیا غرض۔ اور جو پھول شاخ سے ٹوٹ جائے اس کو نسیمِ سحر سے کیا نفع۔

(۳) جب تک کوئی فتنہ تیری نظر میں نہ ہو تو نظر بیکار ہے جب تک خنجر جگر پر نہ کھائے جگر سے کیا فائدہ۔

ردیف "ک"

(۱۷۳)

(۱) مرد آنکه در ہجوم تمنا شود ہلاک
از رشک تشنہ ایکہ بدریا شود ہلاک

(۲) نازم بکشتہ ایکہ چو یابد دو بار عمر
در عذر التفات مسیحا شود ہلاک

(۳) با خضر گر نمیروم از بیم ناکسیت
ترسم ز ننگ ہمرہی ما شود ہلاک

ردیف "ک"

(۱۷۳)

(۱) مر دہ ہے کہ جب کسی کو تشنگی کی حالت میں دریا میں ڈوبتا دیکھے تو اس کے رشک کے ہجوم میں خود جان دے دے۔

(۲) میں اس قتیل عشق پر قربان ہوں کہ جو مسیحؑ کے فیض سے دوبارہ عمر پائے۔ تو ان کے التفات کی معذرت کرتے ہوئے ہلاک ہوجائے۔

(۳) اگر میں خضر کے ساتھ رہبری پر آمادہ نہیں تو اس کا سبب میری نااہلی ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری معیت کی عار سے وہ خود ہلاک نہ ہوجائیں۔

ردیف "ل"

(۱۷۴)

(۱) ای بہ سمار قضا دوختہ چشمِ ابلیس
بدم گرم روان سوختہ بالِ جبرئیل

(۲) باتوام خرمی خاطر موسیٰ بر طور
باخودم خستگی لشکر فرعون بہ نیل

(۳) برکمال تو در اندازہ کمال تو محیط
بروجود تو در اندیشہ وجود تو دلیل

(۴) نہ کنی پارہ لب خشک مسلمانی را
لے بہ ترسا بچگان کردہ مے ناب سبیل

غالب سوختہ جان راچہ بہ گفتار آری
بدیاریکہ ندانند نظیری زقتیل

ردیف "ل"

(۱۷۴)

(۱) اے وہ ذات جس نے تقریر کی میخ سے ابلیس کی آنکھیں پھوڑ دیں اور جس نے رہروان محبّت کی آہ گرم سے جبریلؑ کے پر جلا دیئے۔

(۲) تیرے حضور مجھے وہی نشاط خاطر حاصل ہے جو حضرت موسےؑ کو طور پر حاصل تھی اور اپنی ذات کے ساتھ میں اس تباہی میں مبتلا ہوں جو فرعون کے لشکر کو نیل کے دریا میں پیش آئی تھی۔

(۳) اندازہ کرتے وقت تیرے کمال کا اگر کوئی احاطہ کرسکتا ہے تو تیرا ہی کمال کرسکتا ہے۔ اور غور و فکر کے موقع پر تیرے وجود کی کوئی دلیل ہوسکتی ہے تو تیرا ہی وجود ہوسکتا ہے۔

(۴) تو نے نصاریٰ کے لئے خالص شراب عام کردی ہے مگر ایک مسلمان کے لب خشک کی تجھے پروا نہیں۔

(۵) جس دیس میں لوگ نظیری و قتیل میں امتیاز نہیں کرسکتے ہوں وہاں غالب سوختہ جان کا کیا ذکر کرتے ہو۔

ردیف "م"

(۱۷۵)

(۱) رفتم که کہنگی ز تماشا بر افگنم
در بزم رنگ و بو نمطی دیگر افگنم

(۲) نخلم که ہم بجای رطب طوطی آورم
ابرم که ہم بروی زمین گوہر افگنم

(۳) ضعفم به کعبه مرتبهٔ قرب خاص داد
سجاده گستری تو و من بستر افگنم

(۴) تا باده تلخ تر شود و سینه ریش تر
بگدازم آبگینه و در ساغر افگنم

(۱۷۶)

(۱) شعله چکد ز غم کرا گل شگفد ز دکو
شمع شبستانیم بادِ سحر گاہیم

(۱) دور فتادم ز یاد ماہی بی دجلهام
نیست دلم در کنار دجلهٔ بی ماہیم

ردیف "م"

(۱۷۵)

(۱) میں نے سوچا کہ منظر کی فرسودگی کو دور کروں اور رنگ و بو کی محفل میں نئی طرح ڈالوں۔

(۲) میں ایسا نخل ہوں کہ خرما کے بدلے طوطی پیدا کرتا ہوں اور ایسا ابر ہوں جو روئے زمین پر موتی برساتا ہے۔

(۳) میرے ضعف نے کعبہ میں مجھے خصوصی قرب بخشا ہے لہٰذا تم (زاہد) مصلیٰ بچھاؤ اور میں بستر لگاتا ہوں (آرام کرتا ہوں)

(۴) میں شراب کی صراحی کو پگھلا کر اپنے ساغر میں ڈالتا ہوں تاکہ شراب زیادہ تلخ اور سینہ زیادہ مجروح ہو جائے۔

(۱۷۶)

(۱) میری مثال شمع شبستاں کی سی ہے اگر مجھ سے شعلے لپکیں تو کس کو غم اور میری حیثیت ہولئے سحرگاہی کی ہے اگر میں پھول کھلاؤں تو اس کا صلہ کہاں؟

(۲) میں دوست کے ہجر میں اس مچھلی کی طرح ہوں جو دجلہ (دریا) سے جدا ہو اور میرے پہلو میں تڑپنے والا دل نہیں اس لئے میں ایسا دجلہ ہوں جو مچھلیوں سے محروم ہو۔

(۳) از صفِ طفلان و سنگ رہ شدہ بر خلق تنگ
زود ز کو بگذرد کو کبۂ شاہیم

(۴) غالب نام آورم نام و نشانم مپرس
ہم اسد اللّٰہم و ہم اسد اللّٰہیم

(۱۷۷)

(۱) بادہ بوام خوردہ و زر بہ قمار باختہ
وہ کہ ز ہر چہ ناسزاست ہم بسزا نہ کردہ ایم

(۲) نالہ بہ لب شکستہ ایم داغ بدل نہفتہ ایم
دولتیانِ ممسکیم زر بہ خزانہ کردہ ایم

(۱۷۸)

(۱) گر فراموشی بفریادم رسد وقتست وقت
رفتہ ام از خویشتن چندانکہ در یادِ خودم

(۱۷۹)

(۱) یاد باد آن روزگاران کاعتباری داشتم
آہ آتشناک و چشم اشکباری داشتم

(۳) لڑکوں کے ہجوم اور پتھراؤ سے مخلوق کے نکلنے کے لئے راستہ تنگ ہوگیا ہے یہی وجہ ہے کہ میری "شاہانہ سواری" گلی سے جلد نہیں گزر سکتی۔

(۴) میں نامور غالب ہوں میرا نام ونشان نہ پوچھو۔ میں اسد اللہ بھی ہوں اور اسد اللہ (حضرت علی) کا نام لیوا بھی۔

(۱۷۷)

(۱) میں نے روپیہ تو جوئے میں ہار دیا اور شراب ادھار لے کر پی۔ افسوس کہ میں برے کاموں کو بھی سلیقہ سے نہ کر سکا۔

(۲) میرا نالہ لبوں پر گھٹ کر رہ گیا ہے اور میرا داغ عیش دل کے اندر چھپا ہوا ہے گویا میں کنجوس دولت مند ہوں کہ اپنی دولت کو جوڑ جوڑ کر خزانہ میں رکھا ہے۔

(۱۷۸)

(۱) وقت ہے کہ فراموشی میری فریاد کو پہونچے۔ میں اپنے آپ سے گزر گیا ہوں۔ مگر پھر بھی اپنے کو یاد کرتا رہتا ہوں کہ کبھی میں بھی تھا (ضرورت ہے کہ فراموشی آکر بھلا دے)

(۱۷۹)

(۱) یاد ایام کہ مجھے بھی (عشق میں) اعتبار حاصل تھا اور میں آہ آتشیں اور چشم اشک بار رکھتا تھا۔

(۲) آفتاب روز رستاخیز یادم می دہد
کاندران عالم نظر بر تاب ساری داشتم

(۳) دیگر از خویشم خبر نبود تکلف برطرف
این قدر دانم کہ غالب نام یاری داشتم

(۱۸۰)

(۱) دیدم آن ہنگامہ بیجا خوف محشر داشتم
خود ہمان شورست کاندر زیست در سر داشتم

(۲) دوش بر من عرض کردند انچہ در کونین بو
زان ہمہ کالای رنگا رنگ دل بر داشتم

(۳) کور بودم کز حرم راندند رفتم سوی دیر
از جمال بت سخن می رفت باور داشتم

(۱۸۱)

(۱) شبہای غم کہ چہرہ بخوناب شستہ ایم
از دیدہ نقش وسوسۂ خواب شستہ ایم

(۲) پیمانہ راز بادہ بخون پاک کردہ ایم
کاشانہ راز رخت بہ سیلاب شستہ ایم

(۲) آفتاب محشر کو دیکھ کر مجھے یاد آتا ہے کہ دنیا میں کبھی میری نظر بھی کسی جھروکے پر رہتی تھی۔

(۳) تکلف برطرف اور تو مجھے اپنی خبر نہیں۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ غالب نام کا ایک آدمی میرا آشنا تھا۔

(۱۸۰)

(۱) میں نے ہنگامہ محشر دیکھا مجھے بے وجہ اس کا ڈر تھا اس میں تو وہی شور و ہنگامہ ہے جو زندگی بھر میرے سر میں رہا۔

(۲) کل (روز آفرینش) قدرت نے کونین کا تمام سرمایہ میرے سامنے پیش کیا اور میں نے اس رنگا رنگ سامان میں سے صرف دل چن لیا۔

(۳) میں اندھا تھا (جو کعبہ میں حسن حقیقی کو نہ دیکھ سکا) اور مجھے وہاں سے نکال دیا گیا۔ چنانچہ میں بت خانہ میں پہنچا اور بتوں کے جمال کا جو چرچا سنا اس پر یقین آگیا۔

(۱۸۱)

(۱) شب غم میں یہ حال ہے کہ ہم نے چہرہ اشک خون سے دھویا ہے اور آنکھوں سے نیند کے وہم کا نقش تک مٹا دیا ہے۔

(۲) ہم نے پیمانے کو شراب سے پاک کیا اور وہ بھی خوناب اشک کی مدد سے۔ اور گھر کو ساز و سامان سے دھو ڈالا۔ اور وہ بھی سیلاب کے ذریعہ سے۔

(۳) غرق محیط وحدت صرفیم و در نظر
از روی بحر موجه و گرداب گشته‌ایم

(۱۸۲)

(۱) بخت درخوابست می خواهم که بیدارش کنم
پاره ای غوغای محشر کو که درکارش کنم

(۱۸۳)

(۱) دل با حریف ساخته و ما ز سادگی
بر مدعای خویش گواهش گرفته ایم

(۱۸۴)

(۱) تا فصلی از حقیقت اشیا نوشته ایم
آفاق را مرادف عنقا نوشته ایم
(۲) ایمان بغیب تفرقه‌ها رفت از ضمیر
ز اسما گذشته ایم و مسمّیٰ نوشته ایم
(۳) عنوان راز نامهٔ اندوه ساده بود
سطر شکست رنگ بسیما نوشته ایم

(۴) در هیچ نسخه معنی لفظ امید نیست
فرهنگنامه های تمنا نوشته ایم

(۲) ہم خاص وحدت کے سمندر میں غرق ہیں اور ہماری نظر نے سمندر سے موج وگرداب کو القط کردیا۔

(۱۸۲)

(۱) میرا نصیب سو رہا ہے اور میں اس کو جگانا چاہتا ہوں۔ کاش تھوڑا سا شور محشر مل جاتا جس سے کام لیتا۔

(۱۸۳)

(۱) ہمارا دل حریف (محبوب) سے مل گیا ہے اور ہماری سادگی دیکھو کہ ہم نے اس (دل) کو اپنے مقصد کے لئے گواہ بنا دیا ہے۔

(۱۸۴)

(۱) جب ہم نے حقیقت اشیاء کا باب لکھا (دنیا کی حقیقت پر نظر ڈالی) تو کائنات کو عنقا کے مترادف (معدوم) قرار دیا۔

(۲) ایمان بالغیب نے دل سے تمام فرقے مٹا دیے اب ہم اسما سے گذر گئے اور صرف مسمی ہی رہ گیا۔

(۳) غم کی کتاب کا عنوان اب تک سادہ تھا آخر ہم نے اپنی پیشانی پر شکست رنگ کی سطر بڑھا دی (یعنی ہمارے رنگ کا اڑنا ہی کتاب غم کا عنوان بن گیا)

(۴) ہم نے خود تمنا کی فرہنگیں لکھ ڈالی ہیں لیکن کسی کتاب میں لفظ امید کے معنی نہیں ملے۔

(۵) آینده و گذشته تمنا و حسرتست
یک کاشکی بود که بصد جا نوشته ایم

(۶) آغشته ایم هر سر خاری به خون دل
قانون باغبانی صحرا نوشته ایم

(۷) کو بیت زنقش جبههٔ ما یک قلم برست
بختی سپاس همدمی پا نوشته ایم

(۱۸۵)

(۱) خوشنودم از تو و زپی دور باش خلق
آوازهٔ جفای تو در عالم افگنم

(۱۸۶)

(۱) بی پردگی محشر رسوائی خویشم
در پردهٔ یک خلق تماشائی خویشم

(۵) اب ہمارا کام آئندہ زمانے کی تمنا کرنا اور گذرے ہوئے زمانے پر حسرت کرنا رہ گیا ہے اس لئے ہم نے کتاب زندگی میں سو جگہ "کاش کہ" کا لفظ دہرایا۔ (یعنی کاش کہ ایسا ہوتا۔ اور کاش کہ ایسا ہوتا)

(۶) ہم نے (رو رو کر) خون دل سے ہر کانٹے کو آلودہ کر دیا۔ گویا صحرا کی باغبانی کا یہ قانون تھا جو ہم نے کانٹوں پر لکھ دیا[1]

(۷) اے دوست تیرا کوچہ ہمارے سجدوں کے نقش سے بالکل پر ہو گیا۔ دراصل یہ سجدے نہیں ہیں بلکہ ہم نے اپنے قدموں کی رفاقت کا شکریہ ادا کیا ہے (یعنی اگر قدم ہماری مدد نہ کرتے تو یہ عزت ہم کو کیوں کر نصیب ہوتی)

(۱۸۵)

(۱) میں تجھ سے خوش ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ خلق کو تجھ سے دور رکھنے کے لئے میں نے دنیا میں تیری بے دادگری کو شہرت دے رکھی ہے۔

(۱۸۶)

(۱) میں مخلوق کے پردے میں اپنے احوال کا تماشائی ہوں اس طرح رسوائی کے محشر میں کھل کر سامنے آگیا ہوں۔

---

[1] لختے جگر سے ہے رگ ہر خار شاخ گل تا چند باغبانی صحرا کرے کوئی

(۲) نقش بضمیر آمده نقش طرازم
حاشا که بود دعوی پیدائی خویشم

(۱۸۷)

(۱) یارب چه بلائی که دم عرض تمنا
اجزای نفس می جنزد از بیم تو در هم

(۲) دیدیم که می مستی اسرار ندارد
رفتیم و به پیمانه فشردیم جگر هم

(۳) اسکندر و سرچشمهٔ آبی که زلالست
ما و لب لعلیکه شرابست و شکر هم

(۱۸۸)

(۱) پشت بر کوهست طاقت تکیه تا بر رحمتست
کار دشوارست و ما بر خویش آسان کرده ایم

(۲) رنگها چون شد فراهم مصرفی دیگر نداشت
خلد را نقش و نگار طاق نسیان کرده ایم

(۲) میں ایسا نقش ہوں جو اپنے نقاش کے ضمیر میں گذرا ہوں (یعنی اس کے ضمیر سے باہر میرا وجود نہیں) حاشا کہ مجھے اپنی نمود کا دعویٰ ہو۔

(۱۸۷)

(۱) تو عجب قہر ہے کہ عرضِ تمنا کے وقت میری سانس کے اجزا تیرے خوف سے ایک دوسرے کے اندر سمٹ کر رہ جاتے ہیں۔[1]

(۲) میں نے دیکھا کہ شراب سے مستی اسرار پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے میں نے ساغر میں اپنا جگر بھی نچوڑ کر شامل کر دیا۔

(۳) سکندر کو اس سرچشمہ کی طلب رہی جس میں کہ محض آبِ شیریں (آبِ حیات) تھا اس کے برخلاف ہم ہیں اور وہ لبِ لعل جو بہ یک وقت شراب بھی ہے اور شکر بھی۔

(۱۸۸)

(۱) جب تک رحمت پر بھروسا ہے دل قوی ہے ہمارے کاموں میں تو بہت دشواریاں تھیں مگر ہم نے اس طرح ان کو آسان بنا دیا۔

(۲) (ہم وحدت کے پرستار ہیں اس لئے) جب رنگ کثرت سے فراہم ہو گئے تو ان کا مصرف یہی ہو سکتا تھا کہ ہم نے جنت تک کو طاقِ نسیاں کو نقش و نگار بنا دیا۔[2]

---

[1] اللہ رے تیری تندخوئی جس کے خوف سے　　اجزائے نالہ دل میں میرے رزقِ ہم ہوئے

[2] ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا　　وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا

(۳) می گساران قحط دیابی صبر عشرت مفت کیست
بادۀ ما تا کهن گردید ارزان کرده ایم

(۴) زاهد از ما خوشۀ تاکی بچشم کم مبین
بی نه می دانی که یک پیمانه نقصان کرده ایم

(۱۸۹)

(۱) هم بعالم زاهل عالم برکنار افتاده ام
چون امام سبحه بیرون از شمار افتاده ام

(۲) کاروبار موج با بحر است خود داری مجوی
در شکست خویشتن بی اختیار افتاده ام

(۳) کشتی بی ناخدایم سرگذشت من مپرس
از شکست خویش بر دریا کنار افتاده ام

(۴) از روانیهای طبعم تشنۀ خون است دهر
آبم آب اما تو گویی خوش گوار افتاده ام

(۱۹۰)

(۱) جلوه غلط کرده اندر رخ بکشا تا ز مهر
ذره و پروانه را مژدۀ دیدن دهیم

(۳) میکشوں کا قحط تھا اور ہمیں جلدی تھی ادھر شراب پرانی ہوئی ادھر ہم نے ارزاں کردی دیکھئے کون اس مفت لذت اندوز ہوتا ہے۔

(۴) زاہد میں نے جو خوشۂ انگور تجھے نذر کیا ہے اس کو حقیر نہ خیال کر۔ تجھے نہیں معلوم کہ میں نے یہ خوشہ نذر کرکے ایک پیمانہ کی بقدر شراب کا نقصان گوارا کیا ہے۔

(۱۸۹)

(۱) میں عالم میں رہتے ہوئے بھی اہل عالم سے الگ ہوں جس طرح امام تسبیح میں ہوتا ہے مگر شمار میں نہیں آتا۔

(۲) موجوں کو سمندر سے سابقہ پڑا ہے ایسی حالت میں اپنے آپ کو سنبھالنا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنی بربادی کے معاملہ میں بے اختیار ہوں

(۳) میں ایسی کشتی ہوں جس کا ناخدا نہیں۔ میری سرگزشت نہ پوچھو۔ میں دریا سے نکل کر ساحل پر تو آگیا ہوں مگر ٹوٹنے کے بعد۔

(۴) میری طبیعت کی روانی دیکھ کر دنیا میرے خون کی پیاسی ہوگئی ہے میں ہوں تو پانی مگر اس کو کیا کروں کہ خوش گوار بھی ہوں۔

(۱۹۰)

(۱) ذرے اور پروانے دونوں نے جلوے کا اندازہ کرنے میں غلطی کی (کہ آفتاب اور شمع پر عاشق ہوگئے) اے دوست، اپنا جمال دکھا تاکہ میں ازراہ لطف ان کو مژدہ دیدار دوں۔

(۱۹۱)

(۱) بود بدگو ساده با خود همزبانش کرده ام
ازوفا آزردنت خاطر نشانش کرده ام

(۲) گوشهٔ چشمش به بزم دل ربایان بامنست
وقت من خوش باد کز خود بدگمانش کرده ام

(۳) در طلب دارم تقاضاییکه گویی در خیال
بوسه تحویل لب شکرفشانش کرده ام

(۱۹۲)

(۱) گویی از دشواری غم اندکی دانسته است
می کشد بے جرم و می داند مروت می کنم

(۱۹۳)

(۱) چون به محشر اثر سجده ز سیما جویند
داغ سودای تو ناچار ز سر بنمایم

(۱۹۱)

(۱) رقیب سادہ لوح تھا میں نے اس کو اپنا ہم زبان بنالیا۔ اور اس کے دل میں پوری طرح یہ بات بٹھادی کہ تو وفا سے آزردہ ہوتا ہے۔

(۲) حسینوں کی محفل میں دوست کی نظر مجھ پر رہتی ہے (کہ کہیں میں اس کو چھوڑ کر دوسروں کو تو نہیں دیکھتا) زہے نصیب کہ میں نے اس کو اپنی جانب سے بدگمان کر دیا ہے۔

(۳) میں بوسہ کی طلب میں اس طرح تقاضا کرتا ہوں گویا عالم خیال میں میں نے اس کے لب شیریں میں بوسوں کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

(۱۹۲)

(۱) وہ مجھے بے گناہ قتل کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ مروّت سے کام لے رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو میری دشواری غم کا کچھ اندازہ ہوگیا ہے۔

(۱۹۳)

(۱) جب قیامت میں لوگوں کی پیشانیوں میں سجدہ کا نشان تلاش کیا جائیگا اس وقت میں تیرے سودائے عشق کا داغ جو میرے سر میں ہے دکھاؤں گا۔

ؔعلہ تاکرے نہ غمازی کرلیا ہے دشمن کو دوست کی شکایت میں ہم نے ہم زباں اپنا

(۲) بر رقم سنج بسیار تو زنم بانگ به حشر
کش رضانامهٔ خونهای هدر بنمایم

(۱۹۴)

(۱) تا بکی صرف رضاجوئی دلها باشم
فرصتم باد کزین پس همه خود را باشم
(۲) گاه گاه از نظرم مست و غزل خوان بگذر
ورنه بر عهدهٔ من نیست که رسوا باشم
بادل چون تو ستم پیشهٔ داور نشناس
چکنم گر همه اندیشهٔ فردا باشم

(۱۹۵)

(۱) وگر نگاه ترا مست ناز می خواهم
حساب فتنه ز ایام باز می خواهم
(۲) گذشتم از گله در وصل فرصتم بادا
زبان کوته و دست دراز می خواهم

(۲) میں حشر میں دستِ چپ کے کاتب کو بہ آواز بلند پکاروں گا تاکہ اس کو اپنی مٹنے والی حسرتوں کے خون کا راضی نامہ دکھاؤں۔
(دستِ چپ کا کاتب وہ فرشتہ ہے جو اعمال بد قلم بند کرتا ہے[۱])

(۱۹۴)

(۱) کب تک میں دوسروں کی رضا جوئی میں لگا رہوں گا خدا مجھے توفیق دے کہ آئندہ میں اپنی ذات ہی کو مقصود بناؤں۔
(۲) کبھی کبھی میرے سامنے مست و غزل خواں گذر ورنہ میں بدنام ہونے کی ذمہ داری اپنے اوپر نہ لوں گا۔
(۳) اگر میں ہمہ تن کل (قیامت) کی فکر میں لگ جاؤں تو بھی تجھ جیسے ظالم اور خدا ناشناس کے دل کے ہوتے ہوئے کیا کروں گا کیوں کہ وہ مجھے پھر راہِ راست سے ہٹا دے گا)

(۱۹۵)

(۱) میں پھر چاہتا ہوں کہ تیری نگاہ مست ناز ہو اور اس طرح میں روزگار (زمانہ) سے اس کے ظلم کا انتقام لوں۔
(۲) میں وصل میں شکوہ و شکایت سے باز آیا۔ ایسے موقع پر تو زبان کوتاہ ہونی چاہئے اور ہاتھ دراز۔

---

[۱] آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد ۔۔۔ مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ
ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد ۔۔۔ یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

(۱۹۶)

(۱) زمن حذر نکنی گر لباس دین دارم
نهفته کافرم و بت در آستین دارم

(۲) اگر به طالع من سوخت خرمنم چه عجب
عجب ز قسمت پاک شهر خوشه چین دارم

(۳) نشسته ام به گدایی بشاهراه و هنوز
هزار دزد بهر گوشه در کمین دارم

(۴) ترا نه گفتم اگر جان و عمر معذورم
که من وفای تو با خویشتن یقین دارم

(۱۹۷)

(۱) بیا که قاعدهٔ آسمان بگردانیم
قضا به گردش رطل گران بگردانیم

(۲) ز چشم و دل به تماشا تمتع اندوزیم
ز جان و تن بمدارا زیان بگردانیم

(۳) بگوشه ای بنشینیم و در فراز کنیم
بکوچه بر سر ره پاسبان بگردانیم

(۱۹۶)

(۱) اگر میں دین داری کا جامہ پہنے ہوئے ہوں تو مجھ سے پرہیز کرو۔ کیوں کہ میں چھپا ہوا کافر ہوں۔ اور آستین میں بُت رکھتا ہوں۔

(۲) اگر میرے نصیب سے میرا خرمن جل گیا تو تعجب نہیں۔ تعجب تو شہر کی قسمت پر ہے جو میرا خوشہ چیں تھا اب اس (شہر) پر کیا گزرے گی۔

(۳) میں راہ میں کاسۂ گدائی لئے بیٹھا ہوں اور لطف یہ ہے کہ ہزاروں چور ہر گوشے میں میری گھات میں لگے ہیں۔

(۴) میں نے اگر تجھے اپنی زندگی نہ کہا تو قابل معافی ہوں کیوں کہ مجھے تیری وفا کا یقین ہے (اور زندگی بے وفا ہے)

(۱۹۷)

(۱) اے محبوب آ تاکہ ہم آسمان کی روش نہ بدل دیں۔ اور جام شراب کی گردش سے تقدیر کو پھیر دیں۔

(۲) ہم سیر کے ذریعے سے چشم و دل سے لطف حاصل کریں اور مہر و آشتی کے سہارے جان و تن سے ضرر کو دور رکھیں۔

(۳) ہم تو ایک گوشہ میں بیٹھیں اور دروازہ بند کرلیں اور کوچے میں پاسباں کو گشت کرنے کی ہدایت کردیں۔

(۴) اگر ز شحنه بود گیر و دار ننديشيم
دگر ز شاه رسد ارمغان بگردانیم

(۵) به هم شب همه را در غلط بيندازيم
ز نیمه ره رمه را باشبان بگردانیم

(۶) بجنگ باج ستانانِ شاخساری را
تهی سبد ز درِ گلستان بگردانیم

(۷) به صلح بال فشانان صبح گاهی را
ز شاخسار سوی آشیان بگردانیم

(۸) ز حیدریم من و تو ز ما عجب نبود
گر آفتاب سوی خاوران بگردانیم

(۱۹۸)

(۱) نفل از توفیق طاعت کان عطاست
مزد کار از کار فرما خواستیم!

(۲) رفت و باز آمد هما در دامِ ما
باز سر دادیم و عنقا خواستیم

(۳) هم بخواهش قطع خواهش خواستند
عذر خواهشهای بیجا خواستیم

(۴) اگر شحنہ کی طرف سے گیرودار ہو تو اندیشہ نہ کریں اور اگر بادشاہ کی طرف سے تحفہ آئے تو واپس کردیں۔

(۵) رات کا دہم دلاکر سب کو دھوکے میں ڈال دیں اور آدھے راستے سے سویرے اٹھنے والے چرواہے اور اس کے گلے کو واپس کردیں (کہ لوٹ جاؤ۔ ابھی رات ہے)

(۶) شاخوں سے پھول توڑنے والوں کو لڑکر باغ کے دروازے سے خالی ہاتھ پھیردیں۔

(۷) مرغان سحر کو نرمی کے ساتھ شاخ سے آشیاں کی طرف لوٹا دیں۔

(۸) میں اور تم دونوں حضرت علیؓ کے نام لیوا ہیں اس لئے کوئی تعجب نہیں اگر ہم آفتاب کو مشرق کی جانب واپس کردیں۔

(۱۹۸)

(۱) عبادت کی توفیق دینا بھی خدا کی دین ہے مگر ہماری غفلت تو دیکھئے کہ ہم کام (عبادت) کرکے مالک سے مزدوری طلب کرتے ہیں۔

(۲) ہما ہمارے جال سے نکل گیا۔ اور پھر آکر پھنس گیا لیکن ہم نے دوبارہ اس کو چھوڑ دیا اور عنقا کی تلاش میں مصروف ہوگئے (ہما بادشاہی کی علامت ہے اور عنقا عزلت گزینی کی)

(۳) دوست نے خواہش کی کہ ہم اپنی ہر خواہش سے قطع نظر کرلیں اس لئے ہم نے پہلے بے جا خواہشوں کی معذرت پیش کی۔

(۱۹۹)

(۱) مرنج از وعدهٔ وصلیکه با من درمیان آری
کہ خواہد شد بذوق وعدهٔ دیگر فراموشم

(۲۰۰)

(۱) وحشتی در سفر از برگ سفر داشته ایم
توشهٔ راه دلی بود که برداشته ایم

(۲) وا رسیدیم که غالب بمیان بود نفسے
کاش دانیم که از روی که برداشته ایم

(۲۰۱)

(۱) گردون وبال گردن من ساخت منتیت
کو دست تا بہ گردن دلدار خم کنم

(۲) تا دخل من بعشق فزون تر بود ز خرج
خواہم کہ از تو بیش کشم ناز و کم کنم

(۱۹۹)

(۱) تو نے مجھ سے جو وعدۂ وصل کیا ہے اس سے پشیمان نہ ہو کیوں کہ دوسرے وعدے کی خوشی میں میں اس کو بھول جاؤں گا۔

(۲۰۰)

(۱) ہمیں سفر میں سامان سے وحشت ہوتی تھی ہمارے پاس اگر کوئی توشہ تھا تو لے دے کے ایک دل تھا اس کو بھی ہم نے اٹھا لیا۔ (سب سے بے نیاز بنا دیا)

(۲) ہمیں پتہ چلا کہ غالب درمیان میں محض نقاب کی حیثیت رکھتا تھا (ہم نے اس نقاب کو اٹھا دیا) مگر کاش یہ بھی معلوم ہوتا کہ کس کے چہرے سے اٹھایا ہے)

(۲۰۱)

(۱) مدت ہوئی آسمان نے میرے ہاتھ کو وبالِ گردن بنا دیا (یعنی ہاتھ بے کار ہو کر گردن میں پڑا رہتا ہے) اب یہ موقع کہاں کہ اسے محبوب کی گردن میں ڈالوں۔

(۲) میں چاہتا ہوں کہ تیرے ناز زیادہ اٹھاؤں اور خود ناز کم کروں تاکہ عشق میں میری آمدنی خرچ سے زیادہ رہے۔

(۲۰۲)

(۱) سرت گردم شکار تازہ گر بردم ہوس داری
بہ بندم رہا می کن بقدر یک رمیدن ہم

(۲) نخواہد روز محشر داد خواہ خویش عالم را
بہ تو بخشید ایزد شیوۂ ناز آفریدن ہم

(۳) دل از تمکین گرفت و تاب وحشت نبودم غالب
نگنجد در گریبان من از تنگی دریدن ہم

(۲۰۳)

(۱) خود رشتہ زند موجِ گہر گرچہ من اکنون
جز رعشہ بدست گہر آما ی نہ دارم

(۲) ناز تو فراوان بود و صبر من اندک
تو دست و دلی داری و من پای ندارم

(۳) بی بادہ خجالت کشم از باد بہاری
صبح ست و دم غالیہ آمدای ندارم

(۲۰۲)

(۱) تیرے قربان جاؤں۔ اگر تجھے ہر گھڑی نئے شکار کی خواہش ہے تو مجھے ہر بار گرفتار کر کے ایک دم (گریز کے بقدر) چھوڑ دیا کر۔

(۲) خدا نے تجھے ناز آفرینی کا شیوہ بھی عطا کیا کیوں کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ قیامت میں تمام دنیا اس کے حضور میں داد خواہ ہو (بلکہ کچھ لوگ حشر میں تیرے بھی داد خواہ ہوں)

(۳) غالب ایک طرف دل ضبط سے اکتا گیا۔ اور دوسری طرف جنون کی طاقت بھی نہیں۔ اب یہ حال کہ میرے گریبان میں تنگی کی وجہ سے چاک کی گنجایش بھی نہیں رہتی۔

(۲۰۳)

(۱) خود موج گہر ڈورے میں منسلک ہو جاتی ہے (یعنی آب دار مضمون خود میرے دماغ میں اترتے ہیں) اگرچہ اب میرے موتیوں سے بھرے ہوے ہاتھ میں رعشے کے سوا کچھ نہیں۔

(۲) تیرا ناز بہت ہے اور میرا ضبط تھوڑا۔ تجھے قدرت نے ہاتھ (اختیار) اور دل دیا ہے اور میں پاؤں (طاقت گریز) سے بھی محروم ہوں۔

(۳) شراب نہ ہونے سے مجھے باد بہار سے شرمندگی ہوتی ہے کہ صبح ہو گئی مگر میں ہنوز معطر انفاس سے بے نصیب ہوں۔

(۳۰۴)

(۱) طعنم نه سزد مرگ زہجران نشناسم
رشکم نه گزد خویشتن از یار نه دانم

(۲) پرسد سبب بی خودی از مهر و من از بیم
در عذر به خون غلتم و گفتار نه دانم

(۳) بوسم به خیالش لب و چون تازه کند جور
از سادگیش بی سبب آزار نه دانم

(۴) آویزش جیداز ته چادر بردم دل
آشفتگی طره بدستار نه دانم

(۵) زخم جگرم بخیه و مرہم نپسندم
موج گہرم جنبش و رفتار نه دانم

(۶) نقد خردم سکۂ سلطان نه پذیرم
جنس ہنرم گرمی بازار نه دانم

(۷) غالب نبود کوتہی از دوست ہمانا
زانسان دہدم کام که بسیار ندانم

(۲۰۴)

(۱) مجھے طعنے نہ دو۔ میں سوت اور ہجر میں امتیاز نہیں کرتا۔ ور مجھے رشک کا خطرہ نہیں کیوں کہ میں اپنی ذات کو محبوب سے جدا نہیں سمجھتا

(۲) وہ مہربان ہوکر مجھ سے میری بیخودی کا سبب دریافت کرتا ہے اور میرا یہ حال ہے کہ خوف سے عذر کرنے کے وقت خون جگر میں لوٹتا ہوں اور منہ سے بات نہیں نکلتی۔

(۳) میں تصور میں اس کے لبوں کو بوسہ دیتا ہوں ور جب وہ کوئی نیا ظلم کرتا ہے تو میں اپنی سادہ لوحی سے اس کو بے وجہ ستانے والا نہیں جانتا (بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سزا اس خیالی بوسہ کی مل رہی ہے)

(۴) چادر میں محبوب کی چوٹی کا الجھنا میرا دل چھین لیتا ہے میں پگڑی سے زلفوں کا بگڑنا کیا جانوں۔

(۵) میں زخم جگر ہوں، بخیہ اور مرہم پسند نہیں کرتا۔ میں موج گہر ہوں اور جنبش و رفتار نہیں جانتا

(۶) میں عقل کا نقد سکہ ہوں شاہی (ٹھپہ) نہیں قبول کرتا۔ میں جنسِ ہنر ہوں گرمیٔ بازار سے واقف نہیں۔

(۷) غالب دوست کی عطا میں کوتاہی نہیں۔ گو وہ اکثر اس طرح حاجت روائی کرتا ہے کہ مجھے خبر بھی نہیں ہوتی۔

(۲۰۵)

(۱) ہم‌سرِ بانم کردہ ذوقِ التفاتِ تازہ‌ای
لاجرم شغلِ وکالت را بہ غمّاز افگنم

(۲۰۵)

(۱) دوست کے تازہ التفات نے میری طاقت گفتار چھین لی مجبوراً میں نے اپنی وکالت کا فرض چغل خور (رقیب) کے سپرد کر دیا۔

ردیف "ن"

(۲۰۶)

(۱) کن بہ پارسی گفتی ساز مدعا کردم
ہم بہ خویشش در تازی گفتہ را مکرر کن

(۲) زین درونہ کاویہا گوہرم بکف نامد
خدمتی معین شد اجرتی مقرر کن

(۳) از درون روانم را ور سپاس خویش آور
وز برون زبانم را شکوہ سنج اختر کن

(۲۰۷)

(۱) ما پری شیوہ غزالان وز مردم رم شان
دل مردم بخم طرۂ خم در خم شان

(۲) کافرانند جہان جوی کہ ہرگز نہ بود
طرۂ حور دلاویز تر از پرچم شان

ردیف "ن"

(۳۰۶)

(۱) پروردگار تونے فارسی میں "کن" کہا اور میں نے اس کے بموجب اپنے مقصود کے لئے تدبیر شروع کردی۔ اب تو خود اپنے کہے ہوئے "کُنْ" عربی میں تکرار کر (یعنی میری تدبیروں کو تکمیل تک پہونچا) لہ

(۲) میں نے اپنے باطن کی بہت کاوش کی مگر کوئی موتی ہاتھ نہ آیا۔ جب تونے میرے لئے خدمت معین کی ہے تو اس کی اجرت بھی مقرر کر۔

(۳) باطن میں میری روح کو اپنا شکرگذار اور ظاہر میں میری زبان کو ستاروں کا شکوہ سنج بنا۔

(۳۰۷)

(۱) ہائے وہ پری شیوہ غزالاں رعنا اور ان کا انسانوں سے وحشت کرنا اور اس کے ساتھ لوگوں کے دلوں کا ان کی خمیدہ زلفوں کے پیچ میں گرفتار ہونا۔

(۲) ان کافروں کا حسن جہاں گیر ہے کہ حور کے گیسو بھی ان کے پرچم (زلف) سے زیادہ دل آویز نہیں۔

لہ کُن (ف) کر کُنْ (ع) ہوجا

(۳) آشکارا کش و بدنام و نکونامی جوی
آه ازین طائفہ وانکس کہ بود محرم شان

(۴) رشک بر تشنۂ تنہارو وادی دارم
نہ بر آسودہ دلانِ حرم و زمزم شان

(۵) اینکہ راندی سخن از نکتہ سرایانِ عجم
چہ بما منت بسیار نہی از کم شان

(۶) ہند را خوش نفسانند سخنور کہ بود
باد در خلوت شان مشک فشان از دمِ شان

(۷) مومن و نیّر و صہبائی و علوی وانگاہ
حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شان

(۸) غالب سوختہ جان گرچہ نیرزد بشمار
ہست در بزمِ سخن ہم نفس ہمدمِ شان

(۲۰۸)

(۱) گرفتم کی بہ شرع ناز زارم می توان کشتن
بہ فتوای دل امیدوارم می توان کشتن

(۲) بہ ہجران زیستن کفرست خونم را دیت نبود
چراغ صبحگاہم آشکارم می توان کشتن

(۳) یہ حسین علانیہ ہلاک کرنے والے ظلم میں بدنام ہیں اور پھر بھی نیک نامی کے طالب۔ اس گروہ کی حالت پر افسوس اور نیز ان پر جو ان کے محرم راز ہیں۔

(۴) مجھے وادی کعبہ کے پیاسے اور تنہا مسافروں پر رشک آتا ہے نہ کہ ان پر جو حرم میں دل جمعی کے ساتھ مقیم اور زمزم سے سیراب ہیں۔

(۵) اے شخص جو ایران کے نکتہ سنجوں کی تعریف کرتا ہے ہم پر ان کی کثرت کا کیا احسان جتاتا ہے۔

(۶) تجھے معلوم نہیں کہ ہندوستان میں بھی ایسے سخنوران خوش نوا موجود ہیں جن کے نفس کی خوشبو سے نسیم معطر ہو جاتی ہے۔

(۷) یعنی مومن نیر صہبائی علوی اور حسرتی جو ان میں سب سے بلند پایہ اور آزردہ جو سب میں بزرگ ہیں۔

(۸) رہا غالب سوختہ ان اگرچہ وہ شمار کے قابل نہیں لیکن بزم شعر میں ان باکمالوں کا رفیق و ہمدم ہے۔

(۲۰۸)

(۱) میں نے مانا کہ ناز کی شریعت میں مجھ کو ہلاک کرنا جائز نہیں۔ البتہ اس دل امیدوار کے فتوے سے مجھے قتل کیا جا سکتا ہے۔

(۲) فراق میں زندہ رہنا کفر ہے اس لئے میرا خون بہا کچھ نہیں۔ میری مثال چراغ سحری کی سی ہے اور مجھ کو علانیہ ٹھنڈا کر دینا ممکن ہے۔

(۳) جفا بر چون منی کم کن که گر کشتن هوس باشد
به ذوق مژدهٔ بوس و کنارم می توان کشتن

(۴) بیا بر خاک من گر خود گل افشانی روا نبود
به باد دامن شمع مزارم می توان کشتن

(۵) خدایا از عزیزان منت شیون که برتابد
جدا از خان ومان دور از دیارم می توان کشتن

(۲۰۹)

(۱) زهی باغ و بهار جان فشانان
غمت چشم و چراغ رازدانان

(۲) بصورت اوستاد دل فریبان
به معنی قبلهٔ نامهربانان

(۲۱۰)

(۱) طاق شد طاقت ز عشقت برکران خواهم شدن
مهربان شو ورنه بر خود مهربان خواهم شدن

(۲) خار و خس هرگه در آتش سوخت آتش می شود
مردم از ذوق لبت چندان که جان خواهم شدن

(۳) مجھ جیسے عاشق پر ظلم کم کر۔ اور اگر تجھ کو قتل کرنا ہے تو مجھے بوس و کنار کی خوش خبری دے کہ میں اس خوشی ہی میں جان دیدوں۔

(۴) میری خاکِ مزار پہ آ۔ اگر اس پر پھول ڈالنا جائز نہیں۔ تو اپنی دامن کی ہوا سے میری شمع مزار کو گل کرنے میں کیا برائی ہے

(۵) الٰہی عزیزوں کے ماتم کا احسان کس سے اٹھےگا۔ اس سے تو اچھا یہ ہے کہ مجھے خانماں سے الگ وطن سے دور موت دے۔

(۲۰۹)

(۱) اے جان نثار کرنے والوں (عاشقوں) کے باغ و بہار۔ تیرا غمِ عشق اہلِ راز کا چشم و چراغ ہے۔

(۲) تو ظاہر میں دل لبھانے والوں کا سردار ہے اور باطن میں نامہربانوں کا قبلہ۔

(۲۱۰)

(۱) اب مجھ میں طاقت نہیں رہی اس لئے تیرے عشق سے کنارہ کش ہونا چاہتا ہوں۔ مجھ پر مہربان ہو ورنہ میں خود اپنے اوپر مہربان ہو جاؤں گا۔

(۲) جس طرح خار و خس آگ میں جل کر خود آگ ہو جاتے ہیں میں جو تیرے لبوں کے شوق میں مر رہا ہوں کچھ عجب نہیں کہ سراپا جان ہو جاؤں۔

(۳) با ہوس خوش‌نشست حسن وازوفا بیگانہ است
مہر کم کن ورنہ برخود بدگمان خواہم شدن

(۲۱۱)

(۱) حق گویم و ناداں بہ زبانم دہد آزار
یارب چہ شد آں فتوی بر دار کشیدن

(۲) جاں دادم و دانم کہ پس از من زکہ خواہی
خجلت زگراں جانی اغیار کشیدن

(۲۱۲)

(۱) لب بر لب دلبر نہم و جاں بسپارم
ترکیب .. یکی کردن صد ملتمس ست ایں

(۲۱۳)

(۱) خاطر منت پذیر و خوی نازک دادۂ
گر بہ بخشی شرمسارم ورنہ بخشی وای من

(۳) حسن اہل ہوس سے راضی ہے اور ارباب وفا سے بے گانہ۔ مجھ پر عنایت کم کر ورنہ عین ممکن ہے میں خود اپنے حق میں بدگمان ہو جاؤں گا۔ (یعنی یہ سمجھوں گا کہ شاید میں بھی اہل ہوس میں شامل ہوں جب ہی تو محبوب اتنی عنایت کرتا ہے)

(۲۱۱)

(۱) حق کہتا ہوں اور حق گوئی کے جرم میں نادان لوگ مجھے زبان سے آزار دیتے ہیں یارب وہ زمانہ کہاں گیا۔ جب حق کہنے والوں کو فتوے سے دار پر کھینچا جاتا تھا۔

(۲) میں نے جان دے دی اور یہ صدمہ مجھے ہے کہ میرے بعد تو رقیبوں کی سخت جانی کی شرمندگی اٹھانے کی کس سے توقع رکھے گا۔

(۲۱۲)

(۱) میں چاہتا ہوں کہ دلبر کے لبوں پر لب رکھوں، اور جان دیدوں۔ سو آرزوؤں کو ایک آرزو میں مبدل کرنے کی ترکیب یہی ہے۔

(۲۱۳)

(۱) تو نے مجھے احساس شناس دل اور نازک طبیعت دی ہے اگر مجھے بخش دے تو میں شرمندہ ہوں اور اگر نہ بخشے تو مجھ پر افسوس ہے۔

(۲۱۴)

(۱) شیوهٔ رندان بی پروا خرام از من مپرس
این قدر دانم که دشوار ست آسان زیستن

(۲) با رقیبان هم نفیم اما به دعوی گاه شوق
مردن ست الماوزین مشتی گران جان زیستن

(۳) بر نوید مقدمت صد بار جان باید فشاند
بر امید وعدهٔ ات زنهار نتوان زیستن!

(۴) ابتذالی دارد این مضمون تو ار دعیب نیست
بگذرد در خاطر نازک خیالان زیستن

(۲۱۵)

(۱) بهر فریب از ریا دام تواضع مچین
دل نه ربایده‌ای تیغ زخم داشتن

(۲۱۶)

(۱) نکہت بموشگافی ز فریب رم نه خوردن
نفسم بدام باقی ز سخن دراز کردن

(۲۱۴)

(۱) آزاد پھرنے والے رندوں کا شیوہ مجھ سے نہ پوچھو۔ البتہ اس قدر جانتا ہوں کہ سہل انکاری کے ساتھ جینا بہت دشوار ہے۔

(۲) ہم اور رقیب دونوں ہم فن ہیں لیکن دعویٰ گاہ محبت میں ہمارا کام جان دینا ہے اور ان سخت جانوں کا کام زندہ رہنا۔

(۳) تیری آمد کی نوید سن کر سو بار جاں نثار کی جاسکتی ہے لیکن تیرے وعدے کی امید پر جینا ہرگز ممکن نہیں۔

(۴) عشق میں زندہ رہنا ایسا مضمون ہے جو مبتذل ہے چنانچہ ابتذال کے باعث نازک خیالوں کے دل میں یہ مضمون آتا ہی نہیں۔ البتہ (بلند مضمون میں) توارد واقع ہوجانا کوئی عیب نہیں۔

(۲۱۵)

(۱) لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے ریا کاری سے انکسار کی چال نہ چل کیونکہ جب تلوار میں خم آجاتا ہے تو دل کو زخمی نہیں کرتی۔

(۲۱۶)

(۱) تیری نگاہ وحشت کے دھوکے میں نہیں آئی۔ اس لئے موشگافی کے وصف سے متصف ہے اور میری سانس سخن کی درازی کے باعث جال بچھانے (محبوب کو لبھانے) میں مشغول ہے۔

(۲) تو و در کنار شوقم گره از جبین کشودن
من و بر رخ دو عالم در دل فراز کردن

(۲۱۷)

(۱) خجل ز راستیِ خویش می توان کردن
ستم بجبان کج اندیش می توان کردن

(۲) تو جمع باش که ما را درین پریشانی
شکایتیست که با خویش می توان کردن

(۳) بهر سر که نوبت ساغر نمی رسد ساقی
خراب گردش چشمیش می توان کردن

(۴) اگر بقدر وفا می کنی جفا حیف ست
به مرگ من که ازین بیش می توان کردن

(۲۱۸)

(۱) لب دوختم ز شکوه ز خود فارغم شمرد
نشناخت قدر پرسش پنهان شناختن

(۲) از شیوه های خاطر مشکل پسند کیست
کشتن بجرم درد ز درمان شناختن

(۲) تیرا دستور ہے کہ میرے آغوش شوق میں آکر پیشانی کی گرہ کھول ڈالتا ہے (بے تکلف ہو جاتا ہے) اور میرا معمول ہے کہ تجھے پاکر دونوں عالموں پر اپنے دل کا دروازہ بند کر دیتا ہوں ۔

(۲۱۷)

(۱) بہت ممکن ہے کہ میں کج اندیش (رقیب) کو اپنی راستی سے شرمندہ کروں اور میرا یہ فعل اس کی جان پر ستم ڈھائے ۔

(۲) تم مطمئن رہو کیوں کہ اس پریشانی میں ہمیں کوئی شکایت ہے تو اپنی ہی ذات سے ہے تم سے نہیں ۔

(۳) ساقی جس شخص تک ساغر کا دور نہ پہونچے اس کو گردشِ چشم سے مست کر دینا تیرے لئے کیا مشکل ہے ۔

(۴) افسوس ہے اگر تو وفا کی بقدر مجھ پر جفا کرے (یہ تو ادلا بدلی ہوئی) میری جان کی قسم کی کہ تجھے اس سے زیادہ کرنے کا اختیار ہے ۔

(۲۱۸)

(۱) میں نے شکایت سے ہونٹ سی لئے اور اس نے مجھے (غلطی سے) اپنی طرف سے بے فکر سمجھ لیا ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے پرسشِ پنہاں کی قدر جاننا مطلق نہیں سیکھا ۔

(۲) عاشق کو اس جرم میں قتل کرنا کہ وہ درد اور درماں میں امتیاز کرتا ہے کس کی خاطر مشکل پسند کا شیوہ ہے ۔

(۳) لختِ دلم بدامن و چاکِ غمم بجیب
اینک سزای جیب ز دامان شناختن

(۲۱۹)

(۱) بخونم دست و تیغ آلود جانان
بد آموزان وکیل بی‌زبانان

(۲) فغان از میگساران دجله نوشان
دریغا ساقیان اندازه دانان

(۳) گذشت از دل ولی نگذشت از دل
خدنگِ غمزۂ زورین کمانان

(۲۲۰)

(۱) تا ز دیوانم که سرمستِ سخن خواہد شدن
این می از قحطِ خریداری کہن خواہد شدن
(۲) کوکبم را در عدم اوجِ قبولی بودہ است
شہرتِ شعرم بہ گیتی بعدِ من خواہد شدن
(۳) مطرب از شعرم بہر بزمی کہ خواہد زد نوا
چاکہا ایثارِ جیبِ پیرہن خواہد شدن

(۳) دل کے ٹکڑے میرے دامن میں ہیں اور غم کی وجہ سے چاک گریباں میں یہ دراصل یہ جیب و دامن میں فرق کرنے کی سزا ہے۔

(۲۱۹)

(۱) محبوب کے ہاتھ اور تیغ جو میرے خون میں آلودہ ہیں یہ دونوں ہم سے زبانوں کی ایسے وکالت کرنے والے ہیں جو اس کو بری صلح دیتے ہیں۔

(۲) دہائی ہے کہ مے خوار تو بلانوش ہیں اور ساقی شراب اندازہ سے دیتے ہیں۔

(۳) ان سخت کمانوں (حسینوں) کے غمزے کا تیر دل سے گذر گیا۔ مگر پھر بھی دل سے نہیں گذرا۔ (دل سے پار ہوگیا۔ مگر اس کی یاد دل میں باقی ہے)

(۲۲۰)

(۱) میرے کلام کی شراب خریداروں کے نہ ہونے سے پرانی ہوجائے گی۔ دیکھنا ہے کہ میرے دیوان سے کون کون سرمست ہوتا ہے۔

(۲) میرا ستارہ عدم میں مقبولیت کی بلندی پر رہا ہے اس لئے میرے اشعار کی شہرت دنیا میں میرے بعد ہوگی۔

(۳) جس بزم میں مطرب میرے اشعار گائے گا سننے والوں کے گریبان چاک ہوجائیں گے۔

(۴) میرا ایک ایک حرف فتنے کے مذاق کے مطابق ہوگا جس پر شیخ و برہمن اپنی اپنی جگہ فخر کریںگے۔

(۲۲۱)

نوٹ :- ذیل کی غزل میں شاعر نے معشوق کے عاشق ہونے کا حال بیان کیا ہے۔

(۱) اس (محبوب) کی چشم تر سے آنسوؤں کی بارش دیکھو وہ بادشاہ خوباں ہے اس لئے اگر اس کے پاس موتیوں (آنسوؤں) کا خزانہ ہے تو کیا تعجب ہے۔

(۲) وہ عاشقوں کے دل لینے کی ادا بالکل بھول گیا۔ اب تو اس کا سر ہے اور جان دینے کا سودا۔

(۳) اس کا عتاب اور ناز و غمزہ سب دھرے رہ گئے۔ یہ چیزیں اب ایسے سکے سے مشابہ ہیں جس کا اس کے ملک میں چلن نہیں رہا۔

(۴) وہ زمانہ گیا رہ جب وہ ہمارے غم سے بے خبر تھا۔ اب وہ اپنے عشق سے اپنے سے زیادہ بے پروا ہے۔

(۵) وہ بے تاب ہو ہو کر خنجر پر نظر ڈالتا ہے ابھی اس پر ہمارے خون کا صبر نہ پڑے۔

ردیف "و"

(۲۲۲)

(۱) لن ترانی بہ جواب ارنی چند وچرا
من نہ اینم لبشناس و تونہ آنی بشنو

(۲۲۳)

(۱) تا ازین بے ادبی قہر تو افزون گردد
گلہ سازیست کہ آہنگِ دعاخیزد ازو

(۲) بے نوایان تو درد سر دعویٰ نہ دہند
بشکند ساز وفا بیکہ صدا خیزد ازو

(۳) دل بیاران چہ رہ آورد سفر عرض کند
مگر آہیکہ زجور رفقا خیزد ازو

(۴) محو افسونگر نازیم کہ او را باما
دوربا شیست کہ آہنگ بیا خیزد ازو

(۵) دیگر امروز بما بر سر جنگ آمدہ است
باد اییکہ ہمہ صلح و صفا خیزد ازو

(۶) بلبل گلشن عشق آمد غالب زازل
حیف گر زمزمہ مدح و ثنا خیزد ازو

ردیف "و"

(۲۲۲)

(۱) "ارنی" کے جواب میں کب تک "لن ترانی" کا جواب ملے گا۔ سن لے نہ میں موسیٰ ہوں اور نہ تو خدا۔

(۲۲۳)

(۱) میری شکایت ایک ایسا ساز ہے جس سے دعاؤں کا آہنگ پیدا ہوتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس بے ادبی سے تیرا قہر اور ترقی کرے۔

(۲) تیرے فقیر تجھے دعوے کی زحمت دینے والے نہیں (ہم تجھ پر دعویٰ کرنے والے نہیں) کہ ساز وفا ٹوٹ جائے جس سے صدا نکلے۔

(۳) بجز اس آہ کے جو رفیقوں کے ظلم کے باعث دل سے نکلے وہ (دل) دوستوں کو سفر کا کیا تحفہ پیش کرے۔

(۴) ہم اس ناز کرنے والے فسوں ساز پر مرتے ہیں جس کے "دور باش" میں بھی بیا (آؤ) کا انداز نکلتا ہے۔

(۵) ایسی ادا کے ساتھ جس سے تمام ترصلح و آشتی مترشح ہے وہ آج پھر ہم سے لڑنے آیا ہے۔

(۶) غالبؔ روز ازل سے گلشن عشق کا بلبل ہے اگر اس کی زبان سے مدح و ثنا کے نغمے نکلیں تو افسوس ہے۔

(۲۲۴)

(۱) گویی دمی ز گریۂ خونین بسا بر آر
آن مایہ خون کہ سرزدہم از دل بہ یدکو

(۲۲۵)

(۱) بالم بہ خویش بسکہ بہ بندِ کمندِ تو
مردم گمان کنند کہ تنگم بہ بندِ تو
(۲) آن کز تو دل ربودہ ندانم کہ بودہ است
یارب کہ دور باد ز جانش گزندِ تو

(۲۲۶)

(۱) گستاخ گشتہ ایم غرورِ جمال کو
پیچیدہ ایم سر زِ وفا گو نمال کو

(۲) تا کی فریبِ حلم خدا را خدا ستای
آن خوی خشمگین و ادای ملال کو

(۳) برگشتہ ام ز بھر و نہ می گیریم بقہر
دارم دو صد جواب ولی یک سوال کو

(۲۲۴)

(۱) تم میرا گریہ خونیں دیکھنا چاہتے ہو۔ لیکن اتنا خون جو دل سے آنکھوں تک آئے اب کہاں رہا۔

(۲۲۵)

(۱) چوں کہ میں تیری کمند میں گرفتار ہونے پر بھولا نہیں سماتا لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں تیری اسیری سے تنگ آ گیا ہوں۔

(۲) معلوم نہیں۔ کہ وہ کون تھا جس نے تیرا (محبوب) کا دل چھین لیا خدا کرے کہ تیرے گزند سے اس کی جان محفوظ رہے (یعنی تیرے ستانے کا صبر اس پر نہ پڑے)

(۲۲۶)

(۱) ہم تیرے حضور میں بہت گستاخ ہوئے تیا۔ اب وہ غرور حسن کہاں گیا (جو گستاخی پر عقوبت کرتا تھا) ہم نے وفا سے روگردانی کی ہے اب سزا کیوں نہیں ملتی۔

(۲) کب تک بردباری کا ڈھونگ رچایا جائے گا۔ تو خدا نہیں ہے (جس کی بردباری مسلّم ہے) اب وہ غصہ کی عادت اور ٹال کی ادا کہاں گئی۔

(۳) میں طریق محبت سے پھر گیا اور پھیر بھی تو مجھ پر قہر نہیں کرتا۔ میں سینکڑوں جواب حاضر رکھتا ہوں لیکن کوئی سوال بھی تو کرے۔

(۲۲۷)

(۱) دولت به غلط نبود از سعی پشیمان شو
کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو

(۲) از هر زه روان گشتن قلزم نتوان گشتن
جوئی به خیابان رو (یا) به بیابان شو

(۳) هم جنانه به سامان به هم جلوه فراوان به
در کعبه اقامت کن در بتکده مهمان شو

(۴) آوازهٔ معنی را بر ساز دبستان زن
هنگامهٔ صورت را بازیچهٔ طفلان شو

(۵) گر چرخ فلک گردی سر بر خط فرمان نه
ور گوی زمین باشی وقف خم چوگان شو

(۶) آورده غم عشقم در بندگی ایزد
ای داغ بدل در رو وز جبهه نمایان شو

(۷) در بند شکیبائی مردم ز جگر خائی
ای حوصله تنگی کن ای غصه فراوان شو

(۸) سرمایه کرامت کن وانگاه بغارت بر
بر خرمن ما برقی بر مزرعه باران شو

(۲۲۷)

(۱) اے مدّعا طلب اقبال کسی کے پاس بھول کر نہیں آیا کرتا۔ اس لئے اپنی سعی بے جا سے پشیمان ہو۔ ہاں اگر کافر نہیں ہو سکتا تو مجبوراً مسلمان ہی ہو جا۔ (کفر کو اقبال قرار دیا ہے)

(۲) بے مقصد روانی سے تو سمندر نہیں بن سکتا۔ تو نہر ہے کیاری میں جا اور اگر سیلاب ہے جنگل کا رخ کر۔

(۳) گھر کی آرائش بھی اچھی اور جلوہ کی نمایش بھی اچھی۔ کعبہ میں بھی سکونت اختیار کر اور بت کدہ میں بھی مہمان بن کر رہ۔

(۴) مدرسے کے ساز پر حقیقت کا نغمہ چھیڑ۔ اور ہنگامۂ مجاز کی خاطر لڑکوں کا کھیل بن جا۔

(۵) اگر تو آسمان ہو جائے تب بھی فرمان برداری کی راہ چل۔ اور اگر تو زمین کی گیند بن جائے تو بھی چوگاں کی ضرب کے لئے اپنے کو وقف کر دے۔

(۶) غم عشق نے مجھے خدا کی بندگی کی منزل تک پہنچا دیا۔ اے داغ دل میں سما جا اور پھر پیشانی سے ظاہر ہو (داغ پیشانی سجدے کی نشانی ہے)

(۷) صبر کے ہاتھوں میں نے وہ اذیت پائی کہ مر مٹا۔ اے حوصلہ تنگی اختیار کر اور اے غم و غصہ ترقی کر (اب صبر ممکن نہیں)

(۸) مجھے سرمایہ عنایت کر اور پھر اس کو برباد کر دے۔ میرے خرمن پر بجلی بن اور کھیت پر باران[۱] (یعنی کھیت سرسبز تو ہو۔ پھر خرمن

---

[۱] سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

(۹) جان داد بہ غم غالب خوشنودی روحش را
در بزم عزا می کش در نوحہ غزل خوان شو

—•(•)•—

جل جائے تو مضائقہ نہیں)

(۹) غالبؔ نے غم میں جان دے دی تو اس کی روح کو خوش کرنے کے لئے بزم ماتم میں شراب پی اور نوحہ کے ساتھ غزل خوانی کر۔

ردیف "ہ"

(۲۲۸)

(۱) می رود خندہ بہ سامان بہاران زدہ ای
خون گل ریختہ و می بہ گلستان زدہ ای

(۲) شور اشکی بہ فشار بُنِ مژگان دارم
طعنہ بر بی سر و سامانی طوفان زدہ ای

(۳) اندرین تیرہ شب از پردہ بروں تاختہ است
می روشن بہ طرب گاہ حریفان زدہ ای

(۲۲۹)

(۱) بُتی دارم از اہلِ دل رم گرفتہ
بشوخی دل از خویشتن ہم گرفتہ

(۲) ز سفاک گفتن چو گل بر شگفتہ
درین شیوہ خود را مسلّم گرفتہ

(۳) فسون خواندہ و کارِ عیسیٰ نمودہ
پری بودہ و خاتم از جم گرفتہ

(۴) ز ناز و ادا تن بہ معجز نہ دادہ
بشرم و حیا رخ ز محرم گرفتہ

ردیف "ہ"

(۲۲۸)

(۱) دوست گل کا خون کرکے اور باغ میں شراب پی کر بہار کی ہنسی اڑاتا ہوا جا رہا ہے۔

(۲) میں اپنے پلکوں کی جڑ کے فشار میں وہ جوش اشک پوشیدہ رکھتا ہوں جو طوفان کی بے سروسامانی پر طعنہ زن ہے۔

(۳) محبوب اندھیری رات میں رقیبوں کی محفل سے مئے روشن پی کر نکلتا ہے۔

(۲۲۹)

(۱) میرا معشوق عاشقوں سے بھاگتا ہے اور اس کی خوشی کا یہ حال ہے کہ کبھی اپنے سے بھی بے زار ہو جاتا ہے۔

(۲) جب کوئی اس کو سفاک کہتا ہے تو فخر سے پھول کی طرح کھل جاتا ہے گویا سفاکی کے شیوہ میں اپنے آپ کو مسلم الثبوت جانتا ہے۔

(۳) اگرچہ وہ جادوگر ہے لیکن معجز نمائی میں حضرت عیسیٰؑ کا کارنامہ دکھاتا ہے اگرچہ وہ پری نژاد ہے لیکن حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی اپنے قبضہ میں رکھتا ہے۔

(۴) نازو ادا سے دوپٹے کی بھی پروا نہیں کرتا۔ مگر شرم و حیا میں محرمان راز سے بھی حجاب کرتا ہے۔

(۵) بہ بیداد صد کشتہ برہم نہادہ
بہ بازیچہ صد گونہ ماتم گرفتہ

(۶) نیارد ز من ہیچ گہہ یاد ہرگز
مگر خوی خاقانِ اعظم گرفتہ

(۲۳۰)

(۱) گاہی بہ چشم دشمن و گاہی در آینہ
پرکار عیب جوئی خویشم ہر آینہ

(۲۳۱)

(۱) با دوستان مباحثہ دارم ز سادگی
در باب آشنائی ناآزمودۂ
خجلت نگر کہ در حسناتم نیافتند
جز روزۂ درست بصہبا کشودۂ

(۲۳۲)

(۱) چون زبانہا لال و جانہا پر ز غوغا کردہ ای
بایدت از خویش پرسید انچہ با ما کردہ ای

(۵) ظلم سے اس نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے ہیں اور پھر ہنسی ہنسی میں کشتگان ناز کا ماتم بھی کرتا ہے۔

(۶) وہ کبھی مجھے یاد نہیں کرتا شاید خاقان اعظم کی عادت سیکھ گیا ہے۔

(۲۳۰)

(۱) کبھی دشمن کی نظر سے اور کبھی آئینے کی مدد سے میں ہر طرح اپنے عیب تلاش کرنے میں لگا رہتا ہوں۔

(۲۳۱)

(۱) میری سادگی دیکھئے کہ میں ایک ناآزمودہ کار (ناتجربہ کار حسین) کی دوستی کے بارے میں احباب سے بحث کیا کرتا ہوں۔

(۲) میری شرمندگی پر غور کرو کہ میرے نامۂ اعمال میں بجز اس روزے کے جو شراب سے افطار کیا تھا کوئی نیکی نہیں پائی گئی۔

(۲۳۲)

(۱) جب تو نے ہماری زبانوں کو گونگا کر دیا اور ہماری روحوں کو شورش سے بھر دیا تو تجھ کو خود اپنے آپ سے پوچھنا چاہئے کہ ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا۔

(۲) گر نه ای مشتاق عرض دستگاه حسن خویش
جان فدایت دیده را بهر چه بینا کرده ای

(۳) هفت دوزخ در نهاد شرمساری مضمر است
انتقام است این که با مجرم مدارا کرده ای

(۴) صد کشاد آن را که هم امروز رخ بنموده ای
مژده باد آن را که محو ذوق فردا کرده ای

(۵) ذره ای را روشناس صد بیابان گفته ای
قطره ای را آشنای هفت دریا کرده ای

(۶) دجله می جوشد همانا دیده ها جوی است
شعله می بالد مگر در سینه ها جا کرده ای

(۷) جلوه و نظاره پنداری که از یک گوهر است
خویش را در پردهٔ خلقی تماشا کرده ای

(۲۴۴)

(۱) در زهر سینهٔ آسودگان نه ای
ای دل بدین که غمزده ای شادمان نه ای

(۲) میری جان تجھ پر قربان اگر تو اپنے حسن کی نمایش کا مشتاق نہیں تو آنکھوں کو بینائی کیوں عطا کی۔

(۳) تو نے گنہ گار کے ساتھ درگذر کا جو معاملہ کیا ہے یہ انتقام سے کم نہیں۔ کیوں کہ شرمساری میں سات دوزخوں کی اذیت پوشیدہ ہے۔

(۴) کامیاب ہیں وہ لوگ جن کو آج تو نے اپنا جلوہ دکھا دیا، اور لایق مبارک باد ہیں وہ جن کو کل کی امید میں محو کر رکھا ہے۔

(۵) تو نے یک ذرّے کو سینکڑوں بیابانوں کا روشناس ٹھہرایا ہے اور ایک حقیر قطرے کو سات سمندروں سے آشنا کیا ہے۔

(۶) شاید آنکھیں تیری جویا ہیں یہی وجہ ہے کہ ان سے اشکوں کا دریا جوش مار رہا ہے اور غالباً تو نے سینوں میں اپنا مسکن بنایا ہے یہی سبب ہے کہ ان سے شعلے اٹھ رہے ہیں۔

(۷) جلوہ و نظارہ دونوں کی ایک ہی حقیقت ہے اس لحاظ سے تو نے خلق کے پردے میں اپنے آپ کو دیکھا ہے۔

(۲۳۳)

(۱) اے دل تو آسودہ لوگوں کے سینہ کے زمہریر میں نہیں (بلکہ عاشقوں کے باطن کے آتش خانہ میں رہتا ہے) تجھ کو تو خوش ہونا چاہیئے کہ تیرے حصہ میں غم آیا۔

(۲) ای دیده اشک ریختن آیین تازه نیست
خود را ز ما مگیر اگر خون فشان نه ای

(۳) بلبل به گوشهٔ قفس از خستگی منال
چون من به بند خار و خس آشیان نه ای

(۴) گویی یکیست پیش تو بود و نه بود من
با من نشسته ای و ز من سرگران نه ای

(۵) آخر نبوده ایم در اول خدا پرست
با ما ز سادگیست اگر بدگمان نه ای

(۶) دانسته ای که عاشق زارم گدا نیم
دانم که شاهدی شه گیتی ستان نه ای

(۷) نازم تلون تو به بخت خود و رقیب
با او چنین نه بودی و با ما چنان نه ای

(۲۳۴)

(۱) مرز فنا فراغ را مژدهٔ برگ و ساز ده
سایه به مهر واگزار قطره به بحر باز ده

(۲) داغ به سینه زیورست دل به جفا حواله کن
می ز شرر گران ترست سنگ به شیشه ساز ده

(۲) اے چشم آنسو بہانا کوئی نئی رسم نہیں اگر تو خون نہیں بہاتی تو ہم کو تجھ سے کیا سروکار۔

(۳) اے بلبل قفس کے گوشے میں اپنی زبوں حالی پر نالے نہ کر کیوں کہ میری طرح تو آشیاں کے خار وخس سے وابستہ نہیں ہے۔

(۴) تو میرے پاس بیٹھا ہے اور پھر بھی مجھ سے مکدر نہیں۔ گویا تیرے نزدیک میرا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

(۵) آخر ہم کبھی تو خدا پرست تھے یہ جان کر بھی تیرا ہم سے بدگمان نہ ہونا تیرا بھولاپن نہیں تو کیا ہے۔

(۶) تو جانتا ہے کہ میں عاشق زار ہوں فقیر نہیں ہوں۔ میں بھی واقف ہوں کہ تو معشوق ہے بادشاہ وقت نہیں ہے۔

(۷) اپنے اور رقیب کے نصیب کے سلسلے میں تیری متلون مزاجی کے صدقے کہ تو اس کے ساتھ ایسا نہ تھا جیسا اب ہے، اور ہمارے ساتھ ویسا نہیں ہے جیسا پہلے تھا۔

(۲۳۴)

(۱) اے سالک فنا کی مدد سے فراغت خاطر حاصل کر یعنی سایہ سورج کے حوالے کر اور قطرہ سمندر کو واپس کر دے[۱]

(۲) داغ سینے کی آرائش ہے اس لئے دل جفا کے حوالے کر دے۔ شراب شرار سے زیادہ قیمتی ہے لہٰذا پتھر شیشہ ساز کو سونپ[۲]،

---

[۱] عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا۔

(۳) از نم دیده دیده را رونق جویبار بخش
وز تف ناله ناله را چاشنی گداز ده

(۴) یا به بساط دلبری عام مکن ادای لطف
یا ز نگاهِ خشمگین مژدهٔ امتیاز ده

(۵) گر به غمیکه خورده ام رخصت اشک و آه نیست
هم بدلیکه برده ای طاقت ضبط راز ده

(۲۳۵)

(۱) پاس رسوایی معشوق زمین سست اگر
وای ناکامی دست به گریبان زدهٔ

(۲) دل صد چاک نگهدار به جانش به فرست
شانه ای در خم آن زلفِ پریشان زدهٔ

(۳) وای برمن که رقیب از تو بمن نهباید
نامه وا شدهٔ مهر به عنوان زدهٔ

(۴) هدیه آورده ای از بزم حریفان ما را
رخ خوی کرده ز شرم و لب دندان زدهٔ

(۲۳۶)

(۱) بردست و پای بند گرانی نهاده ای
نازم به بندگی که نشانی نهاده ای

(کہ پتھر سے شیشہ بنے گا اور شراب کے مصرف میں آئے گا)

(۳) اشکوں کی نمی سے آنکھوں کو جوئے یار کی رونق بخش اور نالہ کی گرمی سے نالہ میں گداز کی خاصیت پیدا کر

(۴) یا تو حسن کی بساط پر اپنے لطف کو عام نہ کر یا نگاہ غضب سے اہل عشق کو امتیازی درجہ عطا کر۔

(۵) اگر اس غم میں جو میں کھا رہا ہوں آہ و گریہ کی اجازت نہیں ہے تو کم از کم اس دل کو جو تو چھین لے گیا ہے ضبط کی طاقت دے۔

(۲۳۵)

(۱) اگر معشوق کی رسوائی کا پاس یہی ہے تو اس غریب کی ناکامی پر افسوس ہے جو اپنا گریبان چاک کرے۔

(۲) میرا دل صد چاک سنبھال کر رکھ اور اس کے بدلے اپنی زلف پریشان کے پیچ میں رہنے والا شانہ (کنگھی) بھیج دے۔

(۳) ولے برحال من کہ رقیب تیرا کھلا مہری خط مجھے دکھا دکھا کر ترساتا ہے۔

(۴) وہ محفل رقیب سے میرے لئے شرم سے عرق آلودہ چہرہ اور دنداں گزیدہ لب "تحفے" میں لے کر آیا ہے۔

(۲۳۶)

(۱) تو نے میرے ہاتھ اور پاؤں میں بھاری زنجیریں ڈال دی ہیں قربان جاؤں کہ تو نے میرے وجود پر اپنی بندگی کا نشان

(۲) گوہر ز بحر خیزد و معنی ز فکر ژرف
بر ما خراج طبع روانی نہادہ ای

(۳) تا در امید عمر بہ پندار بگذرد
از لطف در حیات نشانی نہادہ ای

(۴) دوزخ بداغ سینہ گدازی نہفتہ ای
قلزم بچشم اشک فشانی نہادہ ای

(۵) بر ہر دلی فسون نشاطی دمیدہ ای
بر ہر تنی سپاس روانی نہادہ ای

(۶) ہر دیدہ را دری بخیالی کشودہ ای
ہر فتنہ را دلی بہ گمانی نہادہ ای

(۷) غالب ز غصہ مرد ہمانا خبر نہ داشت
کاندر خرابہ گنج نہانی نہادہ ای

———※———

ثابت کردیا ہے ۔

(۲) جس طرح سمندر سے موتی نکلتے ہیں اس طرح گہری فکر سے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ایک طرح کا خراج ہے جو تونے ہماری طبع رواں پر لگایا ہے ۔

(۳) تونے زندگی میں لطف کے آثار ودیعت کئے ہیں تاکہ عمر امید کے خیالات میں بسر ہوتی رہے ۔

(۴) مصیبت زدہ لوگوں کی موت میں بھی تونے بچاؤ کی صورت رکھی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مبتلائے غم کو بھی جائے پناہ مل جائے.

(۵) سینوں کو پگھلا دینے والے داغ میں تونے دوزخ کی گرمی ودیعت کی ہے اور اشک بہانے والی آنکھوں میں سمندر کا جوش رکھا ہے ۔

(۶) ہر دل پر نشاط کا منتر پھونک دیا ہے اور ہر تن پر روح کا شکر واجب کردیا ہے ۔

(۷) تونے ہر آنکھ کا دروازہ کسی نہ کسی خیال کی جانب کھول دیا ہے اور ہر فرقے کا دل کسی نہ کسی گمان سے وابستہ کردیا ہے ۔

(۸) غالب غم و غصہ سے مرگیا ۔ شاید اس کو معلوم نہ تھا کہ تونے ویرانہ میں کنز مخفی (پوشیدہ خزانہ) محفوظ کردیا ہے ۔ (دل کو ویرانہ اور جلوۂ دوست کو خزانہ قرار دیا ہے)

ردیف "ی"

(۲۳۷)

(۱) بگوشم می رسد از دور آواز درا امشب
دلی گم گشته ای دارم که در صحراست پنداری

(۲۳۸)

(۱) ای فنا دری بکشا بو که در تو بگریزد
هم ز خلق نومیدی، هم ز خویش بیزاری

(۲۳۹)

(۱) جنون رشک را نازم که چون قاصد روان گردد
دوم بی خویش گیرم نامه اندر نیمه راه از وی
(۲) شکستن را خدایا هم بدین اندازه قسمت کن
دلی از ماه عهد و طرهٔ و طرف کلاه از وی

(۲۴۰)

(۱) نخواهم از صف حوران ز صد هزار یکی
مرا بس ست ز خوبان روزگار یکی

ردیف "ی"

(۲۳۷)

(۱) آج رات میرے کان میں دور سے جرس کی آواز آتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا دل جو کھو یا گیا ہے وہ کہیں صحرا میں ہے۔

(۲۳۸)

(۱) اے فنا اپنا دروازہ کھول دے شاید ایک شخص جو مخلوق سے ناامید اور اپنی ذات سے بے زار ہے اگر تجھ میں پناہ لے۔

(۲۳۹)

(۱) رشک کی دیوانگی کے قربان جائیے کہ جب قاصد روانہ ہو چکتا ہے تو میں بے اختیار دوڑتا ہوں اور آدھے راستے پر جاکر اس سے خط لے لیتا ہوں۔

(۲) الٰہی شکست کو اس طور سے تقسیم کر کہ ادھر ہمارے دل کو اس کا حصہ ملے ادھر محبوب کے عہد سے۔ زلف اور گوشہ کلاہ کو حصہ ملے (دل کے شکستہ ہونے اور نیز عہد زلف کی شکن اور گوشہ کلاہ کی شکن کی طرف اشارہ ہے۔

(۲۴۰)

(۱) مجھے لاکھوں حوروں میں سے ایک کی بھی تمنا نہیں۔ اور مجھے حسینان روزگار میں سے بس ایک ہی کافی ہے۔

(۲) سراغ وحدت ذاتش توان زکثرت جست
کہ سایر ست دراعداد بیشمار یکی

(۳) کسیکہ مدعی ہستی اساس وفاست
نشان دہد زبناہای استوار یکی

(۴) مروز آیینہ خانہ کہ خوش تماشائیست
یکی تو محو خودی وچو تو ہزار یکی

(۲۴۱)

(۱) ذوق دل خود کامش دریاب زفرجامش
ہر حلقۂ گلدامش چشم نگرانستی

(۲) چشمیکہ بما دارد ہم روبقفا دارد
خود نیز رخ خود را از حیرتیانستی

(۳) جان باغ وبہار اما در پیش تو خاکستی
تن مشت غبار اما در کوئی تو جانستی

(۴) ساقی بہ زر افشانی دانم زکریمانی
پیمانہ گران ترگر بادہ گرانستی

(۵) فیض ازلی نبود مخصوص گروہی را
ترفیست کہ می خوردن آئینِ مغانستی

(۲) حق تعالیٰ کی وحدتِ ذات کا کثرت سے سراغ مل سکتا ہے، کیوں کہ جتنے اعداد ہیں ایک سب میں شامل ہے۔

(۳) جو شخص وفا کی بنیاد کمزور ہونے کا دعوا رکھتا ہے اس سے کہو کہ مستحکم عمارتوں میں سے ایک کا تو نشان بتاؤ۔

(۴) آئینہ خانہ سے نہ جا کیوں کہ یک تو جو اپنی ذات میں محو ہے اور تجھ جیسے ہزاروں اس میں نظر آتے ہیں۔

(۲۴۱)

(۱) محبوب کے خودکام دل کا ذوق اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے جال کا ہر حلقہ گویا ایک چشم نگراں ہے جو شکار کی منتظر ہے۔

(۲) وہ ادھر ہم پر نظر ڈالتا ہے ادھر مڑ کر دیکھتا ہے یعنی وہ خود اپنے جمال کے حیرت زدوں میں سے ہے۔

(۳) جان باغ و بہار سہی لیکن تیرے سامنے خاک برابر ہے تن مشت خاک سہی لیکن تیری گلی میں سراپا روح ہے۔

(۴) ساقی تیری زر افشانی سے میں سمجھتا ہوں کہ تو کریم ہے اگر شراب گراں ہے تو پرواہ نہیں پیمانہ زیادہ گراں ہونا چاہیے (پیمانہ گراں ہونے سے پورا لبریز ہونا مراد ہے)

(۵) فیض ازلی کسی گروہ سے مخصوص نہیں۔ لوگ جو کہتے ہیں کہ سرخوشی آتش پرستوں ہی پر ختم ہے نری باتیں ہی باتیں ہیں۔

(۲۴۲)

(۱) تا بم زدل برد کافر ادائی
بالا بلندی کوته قبائی

(۲) از خوی ناخوش دوزخ نهیبی
وز روی دلکش مینو لقائی

(۳) در دیر گیری غافل نوازی
وز زود میری عاشق ستائی

(۴) زردشت کیشی آتش پرستی
برسم گزاری زمزمه سرائی

(۵) چون مرگ ناگه بسیار تلخی
چون جان شیرین اندک وفائی

(۶) در کام بخشی ممسک امیری
در دل ستانی مبرم گدائی

(۷) گستاخ سازی پوزش پسندی
طاقت گدازی صبر آزمائی

(۸) در کینه ورزی تفسیده دشتی
در مهربانی بستان سرائی

(۹) از زلف پرخم مشکین نقابی
از تابش تن زرین ردائی

(۲۴۲)

(۱) میرے دل کی تاب و طاقت ایک کافر ادا نے چھین لی جو بلند قامت بھی ہے اور کوتاہ قبا بھی۔

(۲) جو اپنی بدخوئی سے دوزخ کی سی ہیبت والا اور اپنے دل کش چہرے کے باعث جنت نظیر ہے۔

(۳) دیر میں گرفت کرنے کی وجہ سے وہ غافلوں پر احسان کرتا ہے اور جلد مرنے پر عاشق کو سراہتا ہے۔

(۴) وہ پارسی مذہب اور آتش پرست ہے جو ہاتھ برسم لے کر آتش کدے میں بھجن گاتا ہے۔

(۵) وہ مرگِ ناگہانی کی طرح نہایت تلخ اور جان شیریں کی طرح سخت بے وفا ہے۔

(۶) وہ مقصد برآری میں کنجوس امیروں کی طرح ہے اور دل چھین لینے میں پیچھے پڑجانے والے فقیروں کی مانند۔

(۷) عاشق کی جرأت بڑھانے والا اور معذرت قبول کرنے والا اور اس کے ساتھ تاب و طاقت کھودینے والا اور صبر آزمانے والا ہے۔

(۸) کینہ ورزی میں تپتے ہوئے صحرا اور مہربانی میں شاداب باغ کی طرح۔

(۹) چہرے پر زلف پرخم کی سیاہ نقاب ڈالے ہوئے اور جسم کی تابش کے باعث گویا سنہری چادر اوڑھے ہوئے ہے۔

(۱۰) درعرض دعوی لیلی نکوہی
بر زعم غالب مجنون ستایی

(۲۴۳)

(۱) بدل ز عربده جاییکه داشتی داری
شمار عہد وفاییکه داشتی داری
(۲) تو کی ز جور پشیمان شدی چه میگوئی
دروغ راست نماییکه داشتی داری
(۳) بسینه چون دل و در دل چو جان خزیدی باز
نگاهِ مہر فزاییکه داشتی داری
(۴) عتاب و مہر توام شناختن نتوان
خرد فریب اداییکه داشتی داری
(۵) شراب بادهٔ دوشینه امی سرت گردم
ادای لغزش پاییکه داشتی داری
(۶) به کردگار نگروید و ہمان به فسوس
حدیث روز جزاییکه داشتی داری
(۷) جہانیان ز تو برگشته اند اگر غالب
ترا چه باک خداییکه داشتی داری

(۱۰) دعویٰ حسن کے اظہار کے وقت لیلیٰ میں عیب نکالنے والا اور غالب کی ضد پر مجنوں کی تعریفیں کرنے والا ہے۔

(۲۴۳)

(۱) اپنی زبردستی سے تو اب بھی میرے دل میں ویسے ہی جگہ رکھتا ہے جیسے کہ رکھتا تھا اور عہد وفا کا وہی شمار رکھتا ہے جو پہلے تھا۔
(۲) کیا کہتا ہے تو اور ظلم سے پشیمان ہونا۔ دراصل تیری راست نما جھوٹ کی عادت جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔
(۳) تو سینے میں دل کی طرح اور دل میں جان کی طرح سمایا ہوا ہے اور محبت بڑھانے والی تیری نگاہیں پہلے کی طرح اب بھی ہیں۔
(۴) تیرے عتاب اور لطف میں امتیاز کرنا دشوار ہے تیری عاقل فریب ادائیں جیسے پہلے تھیں اسی طرح اب بھی ہیں۔
(۵) تیرے قربان جاؤں تو کل رات کی شراب سے اب تک بدمست ہے اور تیری لغزش پا کی ادا جیسی کل تھی آج بھی ہے۔
(۶) تو خدا کی طرف مطلق مائل نہیں اور مذاق کے طور پر قیامت کا تذکرہ جیسے پہلے کرتا تھا اب بھی کرتا ہے
(۷) غالب اگر دنیا تجھ سے پھر گئی ہے تو ڈر نہیں۔ تیرا حامی تو خدا ہے جو پہلے بھی تھا۔

(۲۴۴)

(۱) اگر به شرع سخن در بیان به گردانی
زسوی کعبه رخ کاروان به گردانی

(۲) به نیم نازکه طرح جهان نوفگنی
زمین بگستری و آسمان به گردانی

(۳) به کوی غیر روی چون مرا بره نگری
به چهره چین فگنی و عنان به گردانی

(۴) به بذله خاطر اسلامیان بیازاری
به جلوه قبلهٔ زردشتیان به گردانی

(۲۴۵)

(۱) ای موج گل نوید تماشای کیستی
انگارهٔ مثال سراپای کیستی

(۲) خون گشتم از تو باغ و بهار که بوده ای
کشتی مرا به غمزه مسیحای کیستی

(۳) نشنیده لذت تو فرو میرود به دل
ای حرف محو لعل شکرخای کیستی

(۲۴۴)

(۱) گر تو گفتگو میں شریعت کے ذکر پر آئے تو تیرے بیان میں یہ تاثیر ہے کہ کعبے جانے والے کاروان کا رخ کعبے سے اپنی طرف پھیر دے۔

(۲) تو اپنے ادا و ناز سے نئی دنیا بسا سکتا ہے جس میں نئی زمین کا فرش بچھا ہوا ہو اور نیا آسمان گردش کرتا ہو۔

(۳) تو رقیب کے کوچے میں جاتا ہے لیکن جہاں مجھے راہ میں دیکھا پیشانی پر شکن ڈال لی اور باگ پھیر دی۔

(۴) تو وفا کی تعریف کرتا ہے تو اہل اسلام کا دل دکھاتا ہے اور جب جلوہ نمائی کرتا ہے تو آتش پرستوں کا قبلہ بدل دیتا ہے (یعنی وہ آگ کو چھوڑ کر تیرے آتشیں رخ کو پوجنے لگتے ہیں)

(۲۴۵)

(۱) اے موج گل تو کس کی دید کی خوش خبری لینے کو آئی ہے اور کس کے سروپا کا اترا ہوا نقشہ ہے۔

(۲) میرا دل تیری وجہ سے خون ہو گیا تو باغ و بہار کس کے حق میں ہے تو نے مجھے غمزے سے ہلاک کر دیا تو سیوا کس کا ہے۔

(۳) اے حرف تو کس کے لب شیریں کے ذائقے میں محو ہے کہ میٹھے بغیر تیری لذت دل میں سمائی جا رہی ہے (حرف سے مراد محبوب کی زبان سے ادا ہونے والی باتیں ہیں)۔ ؎

؎ کس منہ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

(۴) با نوبهار این همه سامان ناز نیست
فهرست کارخانۂ یغمای کیستی

(۵) با هیچ کافر این همه سختی نه می رود
ای شرب به مرگ من که تو فردای کیستی

(۲۴۶)

(۱) شاد باش ای غم ز بیم مرگم ایمن ساختی
گشت صرف زندگانی بود گر دشواریی

(۲۴۷)

(۱) رفت آن که کسب بوی تو از باد کردمی
گل دیدمی و روی ترا یاد کردمی

(۲) رفت آن که گر براه تو جان دادمی ز ذوق
از موجِ گرد ره نفس ایجاد کردمی

(۳) رفت آن که گر لبت نه به نفرین نواختی
رنجیدمی و عربده بنیاد کردمی

(۴) رفت آن که قیس را بستر گی ستودمی
در جا بجی ستایشِ فرهاد کردمی

(۴) جو سامان ناز تجھے حاصل ہے وہ نو بہار کو بھی حاصل نہیں۔ معلوم نہیں کہ تو کس کے ٹوٹے ہوئے کارخانے کی فہرست ہے (کارخانۂ حسن مراد ہے)

(۵) کسی کافر پر بھی یہ عذاب نہ ہوگا جو مجھ پر ہے لے شب ہجر تجھے میری جان کی قسم بتا کہ تو کس کے حق میں قیامت بن کر آئی ہے۔

(۲۴۶)

(۱) اے غم شاد باش کہ تو نے مجھے موت کے خوف سے محفوظ کر دیا اور جتنی دشواریاں میرے حصہ میں آئی تھیں یہ سب زندگی میں صرف ہو گئیں۔

(۲۴۷)

(۱) وہ دن گئے جب میں بادِ صبا سے تیری خوشبو حاصل کرتا تھا اور پھولوں کو دیکھ کر تیرے چہرے کو یاد کرتا تھا۔

(۲) وہ زمانہ رخصت ہوا کہ اگر میں ذوق و شوق سے تیری راہ میں جان دیتا تھا تو تیری گرد راہ کی موج میری سانس بن جاتی تھی۔

(۳) وہ دن گئے کہ اگر تیرے لب مجھے دشنام سے نوازتے تھے تو میں رنجیدہ ہو کر تکرار کرنے لگتا تھا۔

(۴) کبھی میں قیس کی عظمت کے راگ الاپتا اور کبھی فرہاد کی مستعدی کی تعریف کرتا تھا۔

(۵) رفت آن که جانب رخ و قدت گرفتمی
در جلوه بحث با گل و شمشاد کردمی

(۶) اکنون خود از وفای تو آزار می کشم
رفت آن که از جفای تو فریاد کردمی

(۷) بندم مت ز طرّه که تابم نمانده است
رفت آن که خویش را به بلا شاد کردمی

آخر به دادگاه دگر او فتاد کار
رفت آن که از تو شکوهٔ بیداد کردمی
غالب هوای کعبه بسر جا گرفته است
رفت آن که عزم خلخ و نوشاد کردمی

(۲۴۸)

(۱) جز بچشم و دل و الا گهران جا نه کنی
جلوهٔ نقش کف پای علیؑ را مانی

(۲) اندرین شیوهٔ گفتار که داری غالب
گر ترقی نه کنم شیخ علی را مانی

(۵) وہ زمانہ گیا کہ میں تیرے رخ اور قامت کی جانب داری میں گل و شمشاد سے حجت کرتا تھا۔

(۶) اب مجھے تیری وفا سے بھی تکلیف ہوتی ہے کہاں وہ دن تھے کہ تیری جفاؤں کی شکایت کرتا تھا۔

(۷) اپنی زلفوں کے پھندے نہ ڈال کیوں کہ اب مجھ میں برداشت کی طاقت نہیں۔ وہ دن کہاں کہ میں اپنے آپ کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔

(۸) وہ زمانہ گزر گیا جب میں تیرے جور کا شکوہ کرتا تھا اب ایک دوسری عدالت کا سامنا ہے۔

(۹) غالب اب کعبے کے دیدار کی خواہش دل میں ہے وہ دن گئے جب میں نلخ و نوشاد جانے کا قصد کیا کرتا تھا (نلخ و نوشاد ترکستان کے دو حسن خیز شہر)

(۲۴۸)

(۱) اے دوست شاید تو حضرت علیؓ کے کف پا کے نقش سے مشابہ ہے جس کا اثر یہ ہے کہ تو عالی مرتبت افراد کے چشم و دل کے سوا اور کہیں ٹھیرنا پسند نہیں کرتا۔

(۲) اگر میں بات بڑھا چڑھا کر نہ کہوں تو اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ غالب شاعری کے اس انداز میں جو تجھے حاصل ہے تو شیخ علی حزیں سے مشابہ ہے۔

(۲۴۹)

(۱) ای که گفتم نه دہی داد دل آری نه دہی
تا چو من دل به معنان شیوه نگاری نه دہی

(۲) ماه و خورشید درین دائره بے کار نیند
تو که باشی که به خود زحمت کاری نه دہی

(۳) پای را حضر قدم سنجی کوی نه شوی
دوش را قدر گران سنگی باری نه دہی

(۴) سر براه دم شمشیر جوانی نه نہی
تن به بند خم فتراک سواری نه دہی

(۵) خون به ذوق غم یزدان نه شناسی نخوری
دین به مهر حق الفت مگذاری نه دہی

(۶) آخر کار نه پیداست که در تن فسرد
کف خونی که بدان زینت داری نه دہی

(۷) رهزنان اجل از دست تو ناگاه برند
نقد هوشی که به سودای بهاری نه دہی

(۲۴۹)

(۱) میں نے جو کہا تھا کہ تو میرے دل کی داد نہ دے گا۔ تو بے شک تجھ سے داد کی امید نہیں جب تک کہ تو خود کسی کافر حسین کو دل نہ دے۔

(۲) دائرہ فلک میں چاند سورج بے کار نہیں ہیں۔ (یعنی جو کام قدرت کی طرف سے ان کو سپرد ہے اس کو برابر انجام دے رہے ہیں) پھر تو کون ہے جو اپنے آپ کو کام (عمل) کی زحمت نہیں دیتا۔ (عمل کی تفصیل آگے آتی ہے)

(۳) تو کس محبوب کی گلی میں پاؤں کو چلنے کی تکلیف نہیں دیتا اور کسی کی محبت کا بوجھ اٹھانے کی کاندھے کو زحمت نہیں دیتا۔

(۴) نہ کسی جوان کی تلوار کی دھار پر سر رکھتا ہے اور نہ کسی سوار کے فتراک کے خم کو اپنا تن حوالے کرتا ہے (فتراک، باگ ڈور)

(۵) نہ کسی خدا ناشناس کی محبت میں خون دل پیتا ہے اور نہ کسی حق محبت ادا نہ کرنے والے کی چاہ میں دل نثار کرتا ہے۔

(۶) مٹھی بھر خون جو تیرے بدن میں ہے اس سے تو سولی کو زینت نہیں دیتا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آخر ایک دن یہ خون جسم میں جم کر رہ جائے گا۔ (مرنے پر بے کار جائے گا)

(۷) نقد ہوش و حواس جو تو بہار کی نذر نہیں کرتا۔ ایک دن اجل کا قزاق اچانک تجھ سے چھین لے جائے گا۔

(۸) بہ خمِ طرّۂ حوران بہشت آویزند
نازپروردہ دلی را کہ بہ یاری ندہی

(۹) گر تنزّل نہ بود ابر بہاری غالبؔ
گہر افشانی وز افشاندہ شماری ندہی

(۲۵۰)

(۱) از قافلہ گرم روان تو نہ باشد
رختیکہ بہ سیلش نشمرانِ دو دنیابی

(۲) فرقیست نہ اندک زدلم تا بہ دلِ تو
معذوری اگر حرفِ مرا زود نیابی

(۳) بر ذوقِ حسد داد نظر دوختگانیم
در سینۂ ما زخم نمک سود نیابی

(۴) در مشربِ ما خواہشِ فردوس نہ جوئی
در مجمعِ ما طالعِ مسعود نیابی

(۵) در بادۂ اندیشۂ ما درد نہ بینی
در آتشِ ہنگامۂ ما دود نیابی

(۲۸) جو رمز بادشاہ نے بیان فرمایا وہ ناموس شریعت کے احترام پر مبنی ہے۔

(۲۹) کاشانہ اور صحن خانہ کی صفائی سے اوہام کا دور کرنا اور ماسوا کی نفی کرنا مراد ہے۔

(۳۰) اس کا مقصد تہذیب اخلاق اور اس کی غرض تحصیل اشراق ہے اور کچھ نہیں۔

(۳۱) جس محبوب کی آمد کا ذکر ہے اس سے مراد وہ جذبہ باطنی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے سالک پر فائز ہوتا ہے۔

(۳۲) عاشق کا دوست کی پذیرائی کے لئے اپنی ہستی سے گذرنا یہ ہے کہ وہ وجود اور اس کے نشانات کو مٹا دے۔

(۳۳) جو سالک راہ طریقت میں تیز رو ہے جب اس مقام پر پہونچتا ہے تو اس کی سیر الی اللہ مکمل ہو جاتی ہے۔

(۳۴) خدا کے بعد خدا کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ فنا کے بعد بقا کا بھی یہی راز ہے۔

(۳۵) غالبؔ اس راز کے اظہار سے خاموش ہو، اور اہلِ دنیا کے پیمانے پر پتھر نہ مار۔

(۳۶) راز وحدت بیان سے باہر ہے اور خدا کی باتیں گفتگو سے ماورا۔

(۳۷) بادشاہ کے لئے دعا پر کلام کو ختم کر اور عرض کر کہ جب تک خدا رہے بہادر شاہ رہے۔

مثنوی چراغ دیر

(۱) نفس با صور دمساز ست امروز
خموشی محشر راز ست امروز

(۲) رگ سنگم شراری می نویسم
کف خاکم غباری می نویسم

(۳) دل از شور شکایتها به جوش ست
حباب بی نوا طوفان خروش ست

(۴) به لب دارم ضمیر آلا بیانی
نفس خون کن جگر پالا فغانی

(۵) پریشان تر ز زلفم داستانیست
به دعوی هر سر مویم زبانیست

(۶) شکایت گونهٔ دارم ز احباب
کتان خویش می شویم به مهتاب

(۷) ز دهلی تا برون آورده بختم
به طوفان تغافل داده رختم

مثنوی چراغ دیر

(۱) آج میرا نفس آوازِ صور کی ہم سری کر رہا ہے اور میری خاموشی محشر راز بن گئی ہے۔

(۲) گویا میں رگِ سنگ ہوں جس سے شرارے نکل رہے ہیں یا کفِ خاک ہوں جو غبار کی نمایش کر رہی ہے۔

(۳) دل شکووں سے جوشش میں بھرا ہوا ہے۔ بے مایہ حباب ہنگاموں کے طوفان اٹھا رہا ہے۔

(۴) میرے لبوں پر وہ افسانہ ہے جس میں دل کے ٹکڑے شامل ہیں اور ایسی فریاد ہے جس میں نفس خون ہو کر اور جگر نشتر نشتر ہو کر آرہا ہے۔

(۵) میری داستان زلفوں سے زیادہ پریشان ہے۔ وہ دعوے کے لئے ہر رونگٹا زبان کا کام دے رہا ہے۔

(۶) مجھے دوستوں سے شکایت ہے اس لئے اپنا کتان کا جامہ چاندنی میں بیٹھا دھو رہا ہوں۔

(۷) جب سے قسمت نے مجھے دہلی سے آوارہ کیا اور میرا سامان خانوں تغافل میں بہ گیا۔

(۸) کس از اہل وطن غم خوار من نیست

مرا در دہر پنداری وطن نیست

(۹) مگو داغ فراق بوستان سوخت

غم بے مہری این دوستان سوخت

(۱۰) جہان آباد گر نبود الم نیست

جہان آباد باد اجای کم نیست

(۱۱) نباشد قحط بہر آشیانی

سر شاخ گلی در گلستانی

(۱۲) سپس در راہ زاری جا توان کرد

وطن را داغ استغنا توان کرد

(۱۳) بہ خاطر دارم اینک گلزمینی

بہار آئین سواد دل نشینی

(۱۴) کہ می آید بہ دعوی گاہ لافش

جہان آباد از بہر طوافش

(۱۵) نگہ را دعوی گلشن ادایی

ازان خرم بہار آشنایی

(۱۶) سخن را نازش مینو قماشی

زگل بانگ ستایشہای کاشی

(۱۷) تعالی اللہ بنارس چشم بد دور

بہشت خرم و فردوس معمور

(۸) اس وقت سے اہل وطن میں سے کسی نے میری غم خواری نہ کی گویا دنیا میں میرا وطن ہی نہیں ہے۔

(۹) یہ نہ کہو کہ باغ (دہلی) کی جدائی کے داغ نے مجھے جلادیا۔ بلکہ ان دوستوں کی بے مہری کے غم نے مجھے ہلاک کر دیا۔

(۱۰) اگر جہاں آباد میرے نصیب میں نہیں تو غم نہیں۔ جہاں (دنیا) آباد رہے میرے لئے جگہہ کی کیا کمی۔

(۱۱) باغ میں شاخ گل پر ایک آشیانے کے لئے جگہہ کی کیا کمی۔

(۱۲) میں کسی لالہ زار میں ٹھکانا بنا لوں گا اور وطن کو اپنی شان استغنا سے جلاؤں گا۔

(۱۳) ایک گل زمین میرے خیال میں ہے اور ایک دل نشین رنگین قطعہ زمین میرے دل میں بسا ہوا ہے۔

(۱۴) اگر وہ اپنے حسن پر ناز کرے تو جہاں آباد اس کے طواف کے لئے آئے۔

(۱۵) اس مبارک زمین سے نگاہوں کو شگفتگی کا دعوا ہے۔

(۱۶) کاشی کی تعریف سے خود سخن کو جنت کی ہم سری کا فخر ہے۔

(۱۷) بنارس ماشاءاللہ چشم بد دور ایسا بہشت ہے جو شادابی سے بھرپور اور ایسا فردوس ہے جو آبادی سے معمور ہے۔

(۱۸) بنارس را کسی گفتا که چین ست
هنوز از گنگ چینش برجبین ست

(۱۹) بخوش پرکاری طرز وجودش
ز دهلی می رسد هر دم درودش

(۲۰) بنارس را مگر دیدست در خواب
که می گردد ز نهرش در دهن آب

(۲۱) حسودش گفتن آیینِ ادب نیست
ولیکن غبطه گر باشد عجب نیست

(۲۲) تناسخ مشربان چوں لب کشایند
به کیش خویش کاشی را ستایند

(۲۳) که هر کس کاندران گلشن بمیرد
دگر پیوند جسمانی نگیرد

(۲۴) چمن سرمایهٔ امید گردد
بمردن زندهٔ جاوید گردد

(۲۵) زهی آسودگی بخشِ روانها
که داغ چشم می شوید ز جانها

(۲۶) شگفتی نیست از آب و هوایش
که تنها جاں شود اندر فضایش

(۲۷) بیا ای غافل از کیفیتِ ناز
نگاهی بر پری زاد الش انداز

(۱۸) کسی نے کہہ دیا کہ بنارس حسن میں چین کا جواب ہے۔ اس پر اس (بنارس) کو غصہ آیا اور جسے لوگ گنگا کی موج کہتے ہیں، وہ اس کی چین جبین ہے۔

(۱۹) اس کی خوش ترکیبی کا شہرہ سن کر دہلی ہر گھڑی اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔

(۲۰) شاید اس نے (دہلی) بنارس کو خواب میں دیکھ لیا تھا جس کی وجہ سے اس کے منہ میں پانی بھر آیا ہے۔

(۲۱) اگر یہ کہوں کہ دہلی کو اس پر حسد ہے تو خلاف ادب ہے لیکن اگر رشک ہو تو تعجب نہیں۔

(۲۲) تناسخ کا عقیدہ رکھنے والے (ہندو) جب زبان کھولتے ہیں تو کاشی کی ستائش کے نغمے گاتے ہیں۔

(۲۳) اور کہتے ہیں کہ جو کوئی اس پُر بہار خطے میں مرے گا وہ آواگون کے چکر سے محفوظ رہے گا۔

(۲۴) یہ باغ لوگوں کا سرمایۂ امید ہے کہ یہاں مر کر زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں۔

(۲۵) بنارس روح کو آسودگی بخشتا ہے اور جان پر جسمانیت کا جو داغ ہے اس کو دھو دیتا ہے۔

(۲۶) اس کی آب و ہوا سے بعید نہیں کہ اس کی فضا میں جسم سراپا روح بن جائے۔

(۲۷) اے کیفیت نازسے غافل انسان آ، اور کاشی کے پری نژادوں پر نظر کر

(۲۸) همه جانهای بی تن کن تماشا
ندارد آب و خاک این جلوه حاشا

(۲۹) نهادشان چو بوی گل گران نیست
همه جانند جسمی درمیان نیست

(۳۰) خس و خارش گلستانست گویی
غبارش جوهر جانست گویی

(۳۱) کف هر خاکش از مستی کنشتی
سر هر خارش از سبزی بهشتی

(۳۲) سوادش پای تخت بت پرستان
سراپایش زیارت گاه مستان

(۳۳) عبادت خانه ناقوسیانست
همانا کعبهٔ هندوستانست

(۳۴) بتانش را هیولی شعلهٔ طور
سراپا نور ایزد چشم بددور

(۳۵) میانها نازک و دلها توانا
ز نادانی به کار خویش دانا

(۳۶) تبسم بسکه در لبها طبیعیست
دهن ها رشک گلهائی ربیعیست

(۳۷) ادای یک گلستان جلوه سرشار
خرامی صد قیامت فتنه دربار

(۲۸) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پری زاد جسمانیت سے بے نیاز، روح ہیں۔ کیوں کہ آب و خاک میں یہ حسن کہاں۔

(۲۹) ان کی ہستی بوئے گل کی طرح لطیف ہے وہ سراپا روح ہیں جسم کا نام نہیں۔

(۳۰) یہاں کے خس و خار گویا گلستان ہیں اور اس کی گرد جوہر جان ہے۔

(۳۱) اس کی ہر کف خاک ہستی کا مینہ ہے اور اس کا ہر کانٹا سرسبزی میں بہشت ہے۔

(۳۲) کاشی بت پرستوں کی راجدھانی ہے اور اس کا وجود مستوں کی زیارت گاہ۔

(۳۳) یہ ناقوسیوں کا عبادت خانہ ہے جس کو کعبۂ ہند کہنا چاہیئے۔

(۳۴) اس کے بتوں کا (حسینوں) خمیر شعلۂ طور سے تیار ہوا ہے اور وہ چشم بددور سراپا نور خدا ہیں۔

(۳۵) نازک کمر اور سخت دل رکھنے والے اپنے کام میں ہوشیار مگر بظاہر بھولے بھالے ہیں۔

(۳۶) ان کے لبوں کا تبسم بالکل فطری ہے اس لئے ان کے دہن گل ہائے بہار ہیں۔

(۳۷) ایک ایک ادا اپنے اندر لاکھوں جلوے رکھتی ہے اور ایک ایک خرام ہزاروں فتنے اٹھاتا ہے۔

(۳۸) به لطف از موج گوهر نرم روتر
بناز از خون عاشق گرم روتر

(۳۹) شمرو ماندن بکشتی نارساییست
خدا را این چه کافر ماجراییست

(۴۰) بکاشی تختی از کاشانه یاد آر
درین جنت ازان ویرانه یاد آر

(۴۱) دریغا در وطن وا ماندهٔ چند
بخون دیده زورق راندهٔ چند

(۴۲) هوس را پای در دامن شکسته
بامید تو چشم از خویش بسته

(۴۳) بشهر زیلکسی صحرا نشینان
بروی آتش دل جاگزینان

(۴۴) مگر کان قوم را دهر آفریده
زسیماب بر آتش آرمیده

(۴۵) همه در خاک و خون افگندهٔ تو
بحکم بیکسیها بندهٔ تو

(۴۶) چو شمع از داغ دل آذر فشانان
به بزم عرض دعوی بی زبانان

(۴۷) سرو سرمایه غارت کردهٔ تو
ز تو نالان ولی درپردهٔ تو

(۳۸) وہ لطافت میں موجِ گہر سے بڑھ کر سبک رو اور ناز میں خونِ عاشق سے زیادہ تیز رفتار ہے۔

(۳۹) کاشی میں محدود ہو کر رہ جانا بڑی نارسائی اور کافر ماجرائی ہے۔

(۴۰) کاشی میں ذرا اپنے کاشانہ کو یاد کر اور اس جنت میں اس ویرانہ کا تصور باندھ۔

(۴۱) افسوس ہے ان لوگوں پر جو وطن میں رہ گئے ہیں اور آنکھوں سے خون بہلاتے ہیں۔

(۴۲) جو ہوس کا پاؤں دامن سمیٹے ہوئے تیرے سہارے پر اپنی ہستی کو بھولے ہوئے ہیں۔

(۴۳) وہ شہر میں رہتے ہوئے تنہائی کی وجہ سے صحرانشینوں کی طرح ہیں اور ان کے دل آتشِ غم سے جل رہے ہیں۔

(۴۴) گویا ان کو قدرت نے آگ میں ٹھیرے ہوئے سیماب سے پیدا کیا ہے۔

(۴۵) ان کے خاک و خون میں لوٹنے کا باعث تو ہے، کیوں کہ وہ بے کسی کی وجہ سے تیرے تابعدار ہیں۔

(۴۶) ان کے دل شمعوں کی طرح جلتے ہیں مگر وہ اظہارِ حال کے وقت بے زبان نظر آتے ہیں۔

(۴۷) ان کے سرمایہ کی غارت گری تیرے ہاتھوں ہوئی وہ تیرے پردے میں تیرے شکوہ گذار ہیں۔

(۴۸) از آنانت تغافل خوشنما نیست
به داغ شان هوای گل روا نیست

(۴۹) ترای بی خبر کاریست در پیش
بیابانی و کهساریست در پیش

(۵۰) نفس تا خود فرو ننشیند از پای
دمی از جادہ پیمائی میاسای

(۵۱) شرر آسا فنا آماده برخیز
بیفشان دامن و آزاده برخیز

زالا دم زن و تسلیم لا شو
بگو الله و برق ماسوا شو

(۴۸) ان سے تیرا تغافل اچھا نہیں ان کے سینہ میں داغ تو ہیں مگر بوئے گل سے خالی۔

(۴۹) اے بے خبر تجھے اہم کام درپیش ہیں اور بیابان وکہسار تیرے سامنے ہیں۔

(۵۰) جب تک سانس چلتی ہے ایک دم بھی راہ پیمائی سے آسودہ نہ ہو۔

(۵۱) شرر کی طرح فنا کے لئے آمادہ رہ۔ دامن جھاڑ اور آزاد لوگوں کی طرح اٹھ کھڑا ہو۔

(۵۲) "اِلّا" کا اقرار کر اور "لا" کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور اللہ کہہ اور برق بن کر ماسوا کو جلا دے۔

مثنوی بادِ مخالف

(۱) ای تماشاییانِ بزمِ سخن
وی مسیحادمانِ نادر فن

(۲) ای سخن پرورانِ کلکتہ
وی زبان آورانِ کلکتہ

(۳) ای شگرفانِ عالمِ انصاف
بہ سفارت رسیدہ از اطراف

(۴) ای سخن را طراز جان دادہ
صفحہ را ساز گلستان دادہ

(۵) عطر بر مغز گیتی افشانان
پہلوانانِ پہلوی دانان

(۶) ای گرامی فشان ریختہ گو
نغز دریا کشان عربدہ جو

(۷) ای رئیسانِ این سوادِ عظیم
وی فراہم شدہ ز ہفت اقلیم

مثنوی بادِ مخالف

(۱) اے بزم ادب کا نظارہ کرنے والو، اے عیسیٰ نفسو! اور ماہرین فن!

(۲) اے کلکتہ کے شاعرو اور ادیبو!

(۳) اے دنیائے انصاف کے بزرگو جو سفارت کے منصب پر مختلف ممالک سے آئے ہو۔

(۴) اے شعر کو زندگی کا حسن بخشنے والو اور اوراق سادہ کو رنگ چمن عطا کرنے والو۔

(۵) اے مغز گیتی کو معطر کرنے والو اور فارسی زبان کے ناموزِ

(۶) اے اردو شاعری کے استادو جو (علم کے) دریا پی جاتے اور بحث و تکرار کو کام میں لاتے ہو۔

(۷) اس عظیم شہر کے رہنے والو جو ہفت اقلیم سے یہاں آکر جمع ہوئے ہو۔

(۸) ہم چو من آرمیدۂ این شہر
بہر کاری رسیدۂ این شہر

(۹) اسد اللہ بخت برگشتہ
در خم و پیچ عجز سرگشتہ

(۱۰) گرچہ ناخواندہ میہمان شماست
بی سخن ریزہ چین خوان شماست

(۱۱) بہ تظلم رسیدہ است این جا
بامید آرمیدہ ست این جا

(۱۲) آرمیدن دہید روزی چار
خستہ ای را بسایۂ دیوار

(۱۳) کار احباب ساختن رسم ست
میہمان را نواختن رسم ست

(۱۴) آن رہ و رسم کارسازی کو
شیوۂ میہمان نوازی کو

(۱۵) کیستم ؟ دل شکستہ غم زدۂ
بیدلی ، خستۂ ، ستم زدۂ

(۱۶) از گداز نفس بتاب و تبی
در بیابان یاس تشنہ لبی

(۱۷) خس طوفانی محیط بلا
سر بسر گرد کاروان فنا

(۸) اور میری طرح اس مقام میں اقامت گزین ہو اور کسی نہ کسی مقصد سے یہاں آئے ہو۔

(۹) بدبخت اسد اللہ جو بے بسی کے عالم میں سرگرداں ہے۔

(۱۰) اگرچہ وہ آپ کا بن بلایا مہمان اور بے شک آپ کے خوان نعمت کا ریزہ چیں ہے۔

(۱۱) وہ فریاد کرنے آیا ہے اور انصاف کی توقع پر ٹھہرا ہوا ہے۔

(۱۲) اپنے سایہ دیوار میں اس تھکے ماندے کو چار دن ٹھہرنے کی اجازت دو۔

(۱۳) احباب کے کام آنا اور مہمان کی خاطر کرنا دنیا کا دستور رہا ہے۔

(۱۴) وہ کارسازی کی رسم کیا ہوئی اور وہ مہمان نوازی کا شیوہ کیا ہوا؟

(۱۵) میں کون ہوں؟ ایک دل شکستہ اور غموں کا مارا ہوا جس کا گھر بار غم کی آگ میں جل چکا ہے۔

(۱۶) جو آہوں کی سوزش سے بے چین ہے اور مایوسی کے جنگل میں تشنہ لب ہے۔

(۱۷) اس کی حیثیت بحر بلا میں ایک طوفان زدہ تنکے کی سی اور فنا کے کاروان کے غبار کی سی ہے۔

(۱۸) دردمندی جگرگداخته‌ای
ازغم دهر زهره باخته‌ای
(۱۹) دیرِ آگاهی فنا زده ای
همه برخویش پشت پازده
(۲۰) چه بلاها کشیده ام آخر
که بدین جا رسیده ام آخر
(۲۱) بسیه روز غربتم بنید
تیره شبهای وحشتم بنید
(۲۲) اندهِ دوری وطن نگرید
غم هجرانِ انجمن نگرید
(۲۳) نه همین ناله و فغان بلبم
من و جان آفرین که جان بلبم
(۲۴) مویه چون موی کرده است مرا
غصه بار خوی کرده است مرا
(۲۵) ذوق شعر و سخن کجاست مرا
کی زبان سخن سراست مرا
(۲۶) دارم آری ز هرزه لائی خویش
توجه برخویش و بے نوائی خویش
(۲۷) گردش روزگار خویشتنم
حیرت کار و بار خویشتنم

(۱۸) وہ خستہ اور پریشان حال ہے جو دنیا کے مصائب سے ہمت ہار چکا ہے۔

(۱۹) وہ فنا کے راز سے آگاہ اور اپنی ہستی سے بیزار ہے۔

(۲۰) مجھ پر کس قدر مصائب ٹوٹے ہیں تب کہیں یہاں تک پہنچا ہوں۔

(۲۱) میرے سفر کی سیہ روزی پر غور کرو اور میری وحشت کی تاریک راتوں پر نظر ڈالو۔

(۲۲) وطن سے دوری کے غم کا اندازہ کرو اور احباب سے بچھڑ جانے کے درد کو دیکھو۔

(۲۳) نہ صرف یہ کہ نالہ و فریاد میری زبان پر ہے بلکہ خدا کی قسم میری جان لبوں پر آگئی ہے۔

(۲۴) رنج نے مجھے بال کی طرح لاغر کر دیا ہے اور غم نے میرے مزاج کو چڑچڑا بنا دیا ہے۔

(۲۵) مجھے ذوق شعر اور سخن سرائی کی کہاں فرصت ہے۔

(۲۶) ہاں اپنی بے ہودہ گوئی سے اپنی ہستی اور ناداری پر نوحہ خواں ہوں۔

(۲۷) میں خود گردش روزگار کا نمونہ اور اپنی حالت پر سراپا حیرت بن گیا ہوں۔

(۲۸) برمن این خشم و کین دریغ دریغ
من چنان تان چنین دریغ دریغ

(۲۹) برغریبان کجا رواست ستم
رحم اگر نیست خود چراست ستم

(۳۰) در بگویند ماجرایی رفت
از تو در گفتگو خطایی رفت

(۳۱) مهربانان خدای را انصاف
تا نخست از که بود رسم خلاف

(۳۲) نمک اندر سبوی می که فگند
به چمن رستخیز دی که فگند

(۳۳) زلف گفتار را که درهم کرد
بزم اشعار را که برهم کرد

(۳۴) چون بدیدید بی گناهی من
تان نه شستید روسیاهی من

(۳۵) هر که دیدم ره خموشی رفت
بود لازم بر آن گرفت گرفت

(۳۶) از چه بود آن به عرصه دم نه زدن
در ره آگهی قدم نه زدن

(۳۷) نه کشودن لبی بیاوریم
خیره بگذاشتن بداوریم

(۲۸) مجھ پر یہ غصہ اور یہ رنجش۔ افسوس۔ کہاں میں اور کہاں آپ لوگ۔ آہ، صد آہ

(۲۹) پردیسیوں پر یہ ظلم کہاں تک روا ہے اگر رحم نہیں کر سکتے تو ظلم بھی کیوں ہو۔

(۳۰) اگر یہ کہا جائے کہ جھگڑا ہوا تھا اور تو نے (غالب نے) بات میں زیادتی کی تھی۔

(۳۱) مہربانو! خدا کے لئے انصاف کرو کہ اختلاف کا آغاز کس طرف سے ہوا۔

(۳۲) شراب میں نمک ڈال کر اس کو بے مزہ کس نے کیا اور چمن میں خزاں کا ہنگامہ کس نے برپا کیا۔

(۳۳) زلفِ سخن کو کس نے پریشان کیا اور محفلِ شعر کو کس نے برہم کیا۔

(۳۴) جب تم نے مجھے بے گناہ پایا تو میری بدنامی کا دھبا کیوں نہ دھویا۔

(۳۵) میں نے جس کی طرف دیکھا اس نے چپ سادھ لی۔ لازم تھا کہ مخالف کے اعتراض پر گرفت کرتے۔

(۳۶) آخر میدان میں نہ آنا اور آگاہی کی راہ میں اقدام نہ فرمانا کس بنا پر تھا۔

(۳۷) میری حمایت میں زبان کیوں نہ کھولی اور مجھے اس معاملے میں حیران و پریشان کیوں چھوڑ دیا۔

(۳۸) تا به شوریده دل ز بی جگری
به فغان آمدم ز خیره سری

(۳۹) از غم دل ستوه گردیدم
چهره با یک گروه گردیدم

(۴۰) گله مندانه گفتگو کردم
پارهٔ ای در سخن غلو کردم

(۴۱) چون شنیدم که نکته پروازان
قدر دانان و انجمن سازان

(۴۲) از من آزرده اند زان پاسخ
به نیایش به خاک سودم رخ

(۴۳) خجلت آوردم و جنون کردم
خویشتن آب و دیده خون کردم

(۴۴) گرچه بیدل ز اهلِ ایران نیست
لیک همچون قتیلِ نادان نیست

(۴۵) صاحب جاه و دستگاهی بود
مرو ازین نمد کلاهی بود

(۴۶) نه غلط گفته است ور خود گفت
راست گویم در آشکار و نهفت

(۴۷) دعوی بنده بی سر و بن نیست
شعر بیدل بجز تفنن نیست

(۳۸) آخر مجبوراً تنگ دل ہو کر میں چلا اٹھا اور نادانی سے آہ و فغاں کرنے لگا۔

(۳۹) میں غم دل سے عاجز آ گیا اور ایک گروہ کا حریف ہو گیا۔

(۴۰) میں نے شکایت آمیز انداز میں گفتگو کی اور بات میں کسی قدر مبالغے سے کام لیا۔

(۴۱) جب میں نے سنا کہ نکتہ پردازانِ ادب اور قدردانِ سخن۔

(۴۲) میرے اس جواب پر مجھ سے ناراض ہیں تو میں نے عاجزی سے زمین ارادت پر سر رکھا۔

(۴۳) میں شرمندہ ہوا اور وحشت میں شرم سے پانی پانی ہو کر خون کے آنسو رونے لگا۔

(۴۴) اگرچہ بیدلؔ ایرانی نژاد نہیں ہے مگر قتیلؔ کی طرح جاہل بھی نہیں ہے۔

(۴۵) وہ (بیدل) صاحب مرتبہ و فضل تھا اور اہل ادب میں امتیاز رکھتا تھا۔

(۴۶) ظاہر و باطن ہر حال میں سچ کہتا ہوں کہ اگر اس نے کہا تو غلط نہیں کہا۔

(۴۷) میرا دعوا بے سروپا نہیں ہے اور بیدلؔ کے اشعار محض تفنن طبع کے طور پر ہیں۔

(۴۸) پاره‌ای از کلام اهلِ زبان!

می فرستم بخدمت یاران

(۴۹) تا بدین پرده آشنا باشند

با من زار هم نوا باشند

(۵۰) وه که دیگر ز جاده برگشتم

خیره بودم سفیه‌تر گشتم

(۵۱) وعدۂ خامشی زیادم رفت

شیوۂ عجز از نهادم رفت

(۵۲) ساده لوحم مرا چه رنگ و چه ریو

آوخ آوخ ز جا هلانه غریو

(۵۳) من کُه و عزم داوری کردن

ساز بزم سخن وری کردن

(۵۴) نه ز آویزشش بیان ترسم

من وایمان من کزان ترسم

(۵۵) که پس از من بسالهای دراز

به زبان ماند این حکایت باز

(۵۶) که سفیهی رسیده بود این جا

چند روز آرمیده بود این جا

(۵۷) با بزرگان ستیزه پیش گرفت

زحمتی داد و راه خویش گرفت

(۴۸) اب میں اہل زبان کے کلام کا نمونہ دوستوں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

(۴۹) تاکہ وہ اس راز سے واقف ہو کر اس عاجز کے ہم نوا ہو جائیں۔

(۵۰) رہے میں سیدھے راستے سے ہٹ گیا۔ پہلے ہی غلط کار تھا، اب اور بھی نادانی کی۔

(۵۱) میں خاموش رہنے کا عہد بھول گیا اور عجز کے انداز کو فراموش کر بیٹھا۔

(۵۲) میں سادہ لوح بے ہنر دھوکے کے ذہن سے کیا کام۔ مجھے اپنے جاہلانہ دعوے پر افسوس ہے۔

(۵۳) کہاں میں اور کہاں خصومت کا حوصلہ اور شعر و سخن کا مشغلہ۔

(۵۴) میں ادبی بحث سے نہیں ڈرتا، بخدا مجھے ڈر ہے تو صرف اس بات کا ہے۔

(۵۵) کہ میرے بعد برسوں تک لوگوں کی زبانوں پر یہ قصہ رہ جائے گا۔

(۵۶) کہ ایک نادان شخص یہاں آیا تھا اور کچھ روز اس جگہ قیام کیا تھا۔

(۵۷) اس نے بزرگوں سے لڑائی مول لی، ان کو پریشان کیا اور چلتا ہوا۔

(۵۸) شوخ چشمی و زشت خویی بود
بے حیائی و ہرزہ گویی بود

(۵۹) ہم سفیہانہ گفتگویی داشت
ہم خراباتیانہ ہویی داشت

(۶۰) برگ دنیانہ سازو نیش بود
ننگ دہلی و سرزنیش بود

(۶۱) آہ ازان دم کہ بعد رفتنِ من
خون دہلی بود بہ گردن من

(۶۲) تا بہ بوم رنج دوستان باشم
بر دل انجمن گراں باشم

(۶۳) وین کہ در پیش گاہ بزم سخن
بہ زبانہا فتادہ است زمن

(۶۴) کہ فلان با قتیل نیکو نیست
نمکس خوان نعمت او نیست

(۶۵) زلّہ بردار کس چرا باشم
من ہمایم نمکس چرا باشم

(۶۶) خود کسی ناسزا چرا گوید
ناسزا آن کہ ناسزا گوید

(۶۷) فیضی از صحبتِ قتیلم نیست
رشک بر شہرتِ قتیلم نیست

(۵۸) وہ بے باک۔ بد مزاج بے حیا اور بے ہودہ گو تھا۔

(۵۹) وہ نادانوں کی سی بات کرتا تھا اور شرابیوں کی طرح ہنگامے اٹھاتا تھا۔

(۶۰) اس کو نہ دنیا کا سازو سامان میسّر تھا اور نہ آخرت کا۔ وہ سرزمین دہلی کے لئے ننگ تھا۔

(۶۱) اس وقت پر لعنت کہ میرے جانے کے بعد دہلی کی نیک نامی کا خون میری گردن پر ہو۔

(۶۲) جب تک میں رہوں دوستوں کے لئے موجب رنج اور اہل محفل کے لئے بار بنا رہوں۔

(۶۳) (مزید یہ) کہ محفل سخن میں میرے بارے یہ شہرت ہے۔

(۶۴) کہ فلاں شخص (یعنی غالب) قتیل کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا۔ اور خود کو اس کے دسترخوان کی مکھی نہیں مانتا۔

(۶۵) مگر میں کسی کا ریزہ چیں کیوں بنوں۔ میں ہُما ہوں مکھی کیوں بنوں؟

(۶۶) کوئی شخص نا مناسب الفاظ کیوں کہے۔ نامعقول بات وہ کہتا ہے جو خود نا معقول ہو۔

(۶۷) مجھے قتیل کی صحبت کا فیض حاصل نہیں ہے اور نہ مجھے اس کی شہرت پر رشک ہے۔

(۶۸) حاشَ لِلّٰہ کہ بد نگویم
و انہم از پیش خود نمی گویم

(۶۹) مگر آناں کہ پارسی دانند
ہم برین عہد و رای و پیمانند

(۷۰) کہ ز اہل زبان نہ بود قتیل
ہرگز از اصفہان نہ بود قتیل

(۷۱) لاجرم اعتماد را نہ سزد
گفتہ اش استناد را نہ سزد

(۷۲) کین زبان خاص اہل ایران ست
مشکل ما و سہل ایران ست

(۷۳) سخن ست آشکار و پنہان نیست
دہلی و لکھنؤ ز ایران نیست

(۷۴) دوستان را گر از من گلہ ایست
کہ حرمت خلاف قافلہ ایست

(۷۵) ... رویم از پی قتیل ہمہ
ساختہ مرد را دلیل ہمہ

... ازین خلعت چاں بہ ... زدہ ای
گام بر جادۂ ... زدہ ای

... تمامت ... شرف ...
... بگو بہ حجت للہ

(۶۸) خدا گواہ کہ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں اور نہ اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں۔

(۶۹) ہاں وہ لوگ جو فارسی جانتے ہیں وہ یہی رائے رکھتے ہیں۔

(۷۰) کہ قتیلؔ اہل زبان میں سے نہ تھا اور نہ اس کا تعلق اصفہان سے تھا۔

(۷۱) بے شبہ وہ اعتماد کے لائق نہیں ہے اور نہ اس کی سند قابل قبول ہے۔

(۷۲) کیونکہ یہ زبان خاص ایران کی ہے جو ان کے لئے آسان ہے گو ہمارے لئے مشکل ہو۔

(۷۳) یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ دہلی اور لکھنؤ کا ایران سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۷۴) اگر احباب کو مجھ سے یہ شکایت کہ تو قافلے (اہل ادب) کی روش کے خلاف چلتا ہے۔

(۷۵) ہم سب تو قتیلؔ کی پیروی کرتے اور بس کو اپنا رہنما مانتے ہیں۔

(۷۶) تو اس جماعت سے کیوں الگ ہو گیا اور تو نے دوسری راہ پہ کیوں قدم رکھا۔

(۷۷) اے ژرف نگاہ دوستو! تم ہی ذرا ایمان کی کہنا۔

(۷۸) کو چسان از حزین بپیچم سر
آن بجادو دمی بدہر سمر

(۷۹) دل دہد کز اسیر برگردم
زان نوآئین صفیر برگردم

(۸۰) دامن از کف کنم چگونہ رہا
طالب و عرفی و نظیری را

(۸۱) خاصہ روح و روان معنی را
آن ظہوری جہان معنی را

(۸۲) فتنۂ گفتگوی اینانم
مست لای سبوی اینانم

(۸۳) آنکہ طی کردہ این مواقف را
چہ شناسد قتیل و واقف را

(۸۴) لیک با آن ہمہ کہ این دارم
گنج معنی در آستین دارم

(۸۵) دل و جانم فدای احباب ست
شوق وقف رضای احباب ست

(۸۶) می شوم خویش را بہ صلح دلیل
می سرایم نوای مدح قتیل

(۸۷) گفتن آیینِ ہوشیاری نیست
لیک دانستن اختیاری نیست

(۷۸) کہ میں کس طرح حزیںؔ سے انحراف کروں جو جادو بیانی میں دنیا میں مشہور تھا۔

(۷۹) کیا یہ روا ہے کہ میں اسیرؔ سے رُوگردانی کروں جس کی آواز میں بڑا انوکھا پن تھا۔

(۸۰) میں طالبؔ، عرفیؔ اور نظیریؔ کا دامن کیوں کر چھوڑ دوں۔

(۸۱) خصوصًا ظہوریؔ کو جو جان معنی بلکہ جہان معنی تھا کس طرح ترک کردوں۔

(۸۲) میں ان شعرا کی طرز کا عاشق اور ان کی سبو کی دُرد سے مُست رہوں۔

(۸۳) جو شخص ان مراحل کو طے کر چکا ہو وہ قتیلؔ اور واقف کو کیا خاطر میں لائے۔

(۸۴) لیکن اس کے باوجود کہ مجھے ان حضرات کی رہ نمائی حاصل ہے اور مضامین کا خزانہ میرے قبضے میں ہے۔

(۸۵) میرے دل وجان احباب پر قربان اور میرا شوق احباب کی مرضی پر نثار ہے۔

(۸۶) میں صلح کے لئے آمادہ ہوں اور قتیلؔ کی تعریف کا نغمہ گانے کو تیار ہوں۔

(۸۷) کوئی بات کہنا دانائی کے خلاف ہو تو بھی جاننا اپنے بس کی بات نہیں۔

(۸۸) گرچه ایرانیش نخواهم گفت
سعدی ثانیش نخواهم گفت

(۸۹) لیک از من هزار بار به است
از من و همچو من هزار به است

(۹۰) من کف خاک و او سپهر بلند
خاک را کی رسد به چرخ کمند

(۹۱) وصف او حد چون منی نبود
مهر در خورد روزنی نبود

(۹۲) مرحبا ساز خوش بیانی او
حبذا شور نکته دانی او

(۹۳) نظمش آب حیات را ماند
در روانی فرات را ماند

(۹۴) نثر او نقش بال طاؤس ست
انتخاب صراح و قاموس ست

(۹۵) خامه هندوی پارسی دانش
هندیان سر به خط فرمانش

(۹۶) این رقمها که ریخت کلک خیال
بود سطری ز نامهٔ اعمال

(۹۷) از من نارسای هیچمدان
معذرت نامهٔ الستازی یاران

(۹۸) بوکه آید ز عذر خواهی ما رحم بر ما و بیگناهی ما

(۸۸) اگرچہ میں اس (قتیلؔ) کو ایرانی نہیں کہوں گا اور نہ اس کو سعدیؔ کا ہم پلہ ٹھہراؤں۔

(۸۹) لیکن وہ مجھ سے ہزار درجہ اچھا اور مجھ سے اور مجھ جیسے ہزاروں سے بہتر تھا۔

(۹۰) میں کفِ خاک ہوں اور وہ (قتیلؔ) بلند آسمان ہے۔ خاک کی یہ مجال کہاں کہ آسمان پر کمند ڈالے۔

(۹۱) اس کی تعریف مجھ جیسے انسان کے بس کی بات نہیں۔ سورج اپنی عظمت کے ساتھ روزن میں نہیں سما سکتا۔

(۹۲) سبحان اللہ! اس کی خوش بیانی اور نکتہ دانی کا کیا کہنا۔

(۹۳) اس کی نظم آبِ حیات کی طرح اور روانی میں فرات کی مثل ہے۔

(۹۴) اس کی نثر مور کے پروں کی طرح خوب صورت ہے۔ گویا صراح اور قاموس کا انتخاب ہے۔

(۹۵) اس کے قلم کو ایک فارسی داں ہندو سمجھنا چاہیئے جس کے فرمان پر تمام ہندیوں کے سر تسلیم خم ہیں۔

(۹۶) یہ تحریر جو خیال کے قلم سے ٹپکی ہے میرے نامۂ اعمال کی ایک سطر ہے۔

(۹۷) یہ مجھ ہیچ مداں کی طرف سے دوستوں کی خدمت معذرت نامہ ہے

(۹۸) کیا عجب کہ میرا عذر قبول ہو اور مجھ پر اور میری بے گناہی پر احباب کو رحم آجائے۔

تقریظ آیینِ اکبری مصححہ سیّد احمد خاں صدر الصدور مراد آباد

(۱) مژدہ یاران را کہ این دیرین کتاب
یافت از اقبالِ سیّد فتح باب

(۲) دیدہ بینا آمد و بازو قوی
کہنگی پوشید تشریفِ نوی

(۳) و ینکہ در تصحیح آیین رای اوست
ننگ و عار ہمت والای اوست

(۴) دل بہ شغلی بست و خود را شاد کرد
خود مبارک بندۂ آزاد کرد

(۵) ہر چنین کاری کہ اصلش این بود
آن ستاید کش ریا آیین بود

(۶) من کہ آیینِ ریا را دشمنم!
در وفا اندازہ دانِ خود منم

(۷) گر بدین کارش نگویم آفرین
جای آن دارد کہ جویم آفرین

(۸) با بدآیینان نمانم در سخن!
کس نہ داند آنچہ دانم در سخن

تقریظ "آئینِ اکبری" مصححہ سید احمد خاں صدر الصدور۔ مراد آباد

(۱) دوستوں کو خوش خبری ہو کہ یہ قدیم کتاب (آئین اکبری) سید احمد خاں کی سعی سے منظر عام پر آگئی۔

(۲) ان کی بصیرت اور جاں فشانی سے کتاب مذکور نے نیا خلعت پہنا۔

(۳) لیکن 'آئین اکبری' کی تصحیح ان کی عالی ہمتی کے لئے موجب ننگ و عار ہے۔

(۴) انھوں نے اس شغل کو اختیار کیا اور خوش ہو گئے لیکن دراصل یہ سعی لاحاصل ہے۔

(۵) میرے نزدیک ان کے اس کام کی تعریف وہی شخص کرے گا جو ریاکار ہوگا۔

(۶) مگر میں ریاکاری سے نفرت کرتا ہوں اور وفاداری کی حقیقت سے آگاہ ہوں۔

(۷) اگر میں ان کی اس خدمت کی تعریف نہ کروں تو میرا یہ طریقہ تعریف کے مستحق ہے۔

(۸) میرا کلام غلط کاروں کی روش سے دُور ہے اور فن سخن جو میں جانتا ہوں کوئی دوسرا اس سے واقف نہیں۔

(۹) کس مخر باشد بگیتی این متاع
خواجه را چه بود امید انتفاع

(۱۰) گر ز آئین می رود با ما سخن
چشم به بکشا اندرین دیر کہن

(۱۱) صاحبان انگلستان را نگر
شیوه و انداز ایشان را نگر

(۱۲) تا چه آئینها پدید آورده اند
آن چه هرگز کس ندید آورده اند

(۱۳) زین هنرمندان هنر بیشی گرفت
سعی بر پیشینان پیشی گرفت

(۱۴) حق این قوم ست آئین داشتن
کس نیارد ملک بہ زین داشتن

(۱۵) داد و دانش را بهم پیوسته اند
هند را صد گونه آئین بسته اند

(۱۶) آتشی کز سنگ بیرون آورند
این هنرمندان ز خس چون آورند

(۱۷) تا چه افسون خوانده اند اینان برآب
دود کشتی را همی راند در آب

(۱۸) گه دخان کشتی به جیحون می برد
گه دخان گردون بهامون می برد

(۹) یہ متاع (آئین اکبری) ایسی ہے جس کا دنیا میں کوئی خریدار نہیں پھر سید کو اس سے کیا نفع ہوا۔

(۱۰) اگر عہد اکبری کے لئے آئین و قوانین کو دیکھنا چاہے تو اے مخاطب آنکھ کھول۔

(۱۱) اور انگریزوں کو اور ان کے قوانین کو دیکھ۔

(۱۲) دیکھو ان دانایان فرنگ نے کیا کیا آئین بنائے ہیں اور جو چیزیں آج تک کسی نے نہیں دیکھیں ان کو بروے کار لائے ہیں۔

(۱۳) ان ہنرمندوں سے ہنر کا رتبہ بلند ہوا اور ان کی سعی سے ان کا قدم قدما سے بڑھ گیا۔

(۱۴) حقیقت میں نظم ونسق اہلِ فرنگ کا حصہ اور جہان بانی ان کا شیوہ ہے۔

(۱۵) وہ انصاف اور علم کے جامع ہیں اور ان کی وجہ سے ہندوستان کو چار چاند لگ گئے۔

(۱۶) پہلے لوگ پتھر سے آگ نکالتے تھے مگر یہ ہنرمند تنکے سے آگ پیدا کرتے ہیں۔

(۱۷) انھوں نے سمندر پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ دھواں جہازوں کو کو اڑائے لئے جاتا ہے

(۱۸) اس بھاپ سے کشتی دریا میں اور ریل صحرا میں مسافت طے کرتی ہے۔

(۱۹) غلغلک گردون بگرداند دخان
نره گاو و اسپ را ماند دخان

(۲۰) از دخان زورق به رفتار آمده
باد و موج این هر دو بیکار آمده

(۲۱) نغمه‌ها بی زخمه از ساز آورند
حرف چون طائر به پرواز آورند

(۲۲) هین نمی بینی که این دانا گروه
در دو دم آرند حرف از صد گروه

(۲۳) می زنند آتش بباد اندر همی
می درخشد باد چون اخگر همی

(۲۴) رو به لندن کاندران رخشنده باغ
شهر روشن گشته در شب بی چراغ

(۲۵) پیش این آئین که دارد روزگار
گشته آئین دگر تقویم پار

(۲۶) هست ای فرزانهٔ بیدار مغز
در کتاب این گونه آئینهای نغز

(۲۷) چون چنین گنج گهر بیند کسی
خوشه زان خرمن چرا چیند کسی

(۲۸) طرز تحریرش اگر گویی خوشست
نی فزون از هر چه می جویی خوش است

(۱۹) یہی بھاپ ریل کے پہیوں کو حرکت میں لاتی ہے اور بیل اور گھوڑے کا کام دیتی ہے۔

(۲۰) بھاپ سے جہاز چلتے ہیں، اب موج کی کوئی حاجت نہیں رہی

(۲۱) یہ لوگ بغیر مضراب کے ساز سے نغمے نکالتے ہیں جس سے حرف پرندے کی طرح پرواز کرتے ہیں ہیں۔

(۲۲) کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ دانا جماعت دو لمحوں میں سو کوس سے خبر منگا لیتی ہے۔

(۲۳) وہ لوگ ہوا میں آگ لگا دیتے ہیں جس سے ہوا انگارے کی طرح روشن ہوجاتی ہے۔

(۲۴) لندن جاکے دیکھو کہ اس شہر میں رات کو آبادی بغیر چراغ کے روشن ہوجاتی ہے۔

(۲۵) ان لوگوں کے آئین کے سامنے دوسروں کے آئین تقویم پارینہ بن گئے۔

(۲۶) اے انصاف پسند عاقل۔ خدا لگتی کہنا کیا اس کتاب (آئین اکبری) میں بھی ایسے نادر اور نفیس آئین ہیں۔

(۲۷) جب کسی کی دسترس ایسے گنج گوہر تک ہو تو اس خرمن کی خوشہ چینی کیوں کرے۔

(۲۸) اگر کہو کہ اس کا طرز تحریر بہت دل کش ہے تو میں تسلیم کرتا ہوں۔

(۲۹) ہر خوشی را خوشتری ہم بودہ است
گر سری ہست افسری ہم بودہ است

(۳۰) مبدء فیاض را مشمر بخیل
نور می ریزد رطبہا زاں نخیل

(۳۱) مردہ پروردن مبارک کار نیست
خود بہ گوکاں نیز جز گفتار نیست

(۳۲) غالب آیین خموشی دل کش ست
گرچہ خوش گفتی نہ گفتن ہم خوش ست

(۳۳) در جہاں سید پرستی دین تست
از ثنا بگذر دعا آیین تست

(۳۴) ایں سراپا فتنہ و فرہنگ را
سید احمد خان عارف جنگ را

(۳۵) ہر چہ خواہد از خدا موجود باد
پیشکارش طالع مسعود باد

(۲۹) لیکن خدا نے ایک کو ایک سے بہتر بنایا ہے اگر ایک خوب ہے تو دوسرا خوب تر۔

(۳۰) مبدا فیاض کو بخیل نہ خیال کرو اس کے فیض کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا ہے۔

(۳۱) مردہ پرستی کوئی مبارک کام نہیں تم خود کہو کہ اس میں باتوں کے سوا اور کیا ہے۔

(۳۲) غالب اب خاموشی مناسب ہے اگرچہ تو نے جو کچھ کہا وہ درست ہے لیکن اب کچھ نہ کہنا ہی ٹھیک۔

(۳۳) دنیا میں سادات کا احترام کرنا تیرا دین ہے۔ ثنا کو چھوڑ اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا۔

(۳۴) یہ سراپا جاہ و دانش یعنی سید احمد خاں عارف جنگ۔

(۳۵) خدا سے جو مراد مانگے اس کو میسر ہو اور طالع مسعود اس کے ساتھ ہو۔

مثنوی ابرِ گہربار

(۱) سپاسی کزو نامہ نامی شود
سخن در گزارش گرامی شود

(۲) سپاسیکہ آغاز گفتار زوست
سخن چون خط از رخ نمودار زوست

(۳) سپاسیکہ تا لب ازو کام یافت
روانہا بدان رامش آرام یافت

(۴) خدا را سزد کز درون پروری
بدین شیوہ بخشد سخنا وری

(۵) خدا ییکہ زانگونہ روزی دہد
کہ ہم روزی و ہم دو روزی دہد

(۶) بنامی کہ گم گشتہ بردن درو
ز پری نہ گنجد شمردن درو

(۷) کسی را کہ باشد بر انگشتری
زند گرد او حلقہ دیو و پری

(۸) متاع اثر بسکہ ارزان دہد
مسیحا بدان مردہ را جان دہد

مثنوی ابرِ گہر بار

آغاز

(۱) خدا کا شکر ایسا وصف ہے جس سے کتاب کی عزت بڑھ جاتی ہے اور سخن کے وقار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۲) اس شکر سے جس سے کلام کا آغاز ہوتا ہے، سخن اس طرح نکھار ہوتا ہے جیسے سبزۂ خط چہرے سے۔

(۳) شکر جس سے لب بہرہ ور ہوتے ہیں ایک طرح کا نغمہ ہے جس کی بدولت روح کو سکون ملتا ہے۔

(۴) یہ سب (شکر) خدا ہی کے لئے زیبا ہے۔ ہمارے باطن کی پرورش کی اور اس راہ سے اس کو معرفت کی دولت عطا کی۔

(۵) وہ خدا جو اس طرح انسان کو روزی عطا کرتا ہے کہ کبھی روز کے روز اور کبھی دو روز کی اکٹھی۔

(۶) میں اس نام سے شروع کرتا ہوں جس میں پکارنا گم ہو کر رہ گیا ہے اور جس کی وسعت کا یہ حال ہے کہ اس میں شمار کی گنجائش نہیں۔

(۷) جس کی انگوٹھی پر وہ نام مبارک نقش ہے کہ سب دیو اور پری اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔

(۸) ازبس کہ وہ متاعِ اثر ارزاں کر دیتا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرت مسیح اس (نام) کی برکت سے مردے کو زندہ کرتے ہیں۔

(۹) رضا داد کاید به بردن همی
دهد تن به بند شمردن همی

(۱۰) نه باشد اگر بخشش عام او
کرا زهرهٔ بردن نام او

(۱۱) بفرخندگی هر که نامش گرفت
ہُما از ہوا راہ دامش گرفت

(۱۲) بود نام پاکش زبس دل نشین
تراشند پاکانش از دل نگین

(۱۳) بدل هر که سوزنده داغش نهاد
پری رخ به پیش چراغش نهاد

(۱۴) نرنجد ز انبوہ خواهندگان
نیاید ستوه از پناهندگان

(۱۵) خرد جنس ہستی فروشندگان
دهد مزد بیهوده کوشندگان

(۱۶) رباید دل اما ز دل دادگان
کشد ناز لیکن ز افتادگان

(۱۷) نه بیند حزیں ہیچ بینندهٔ!
که مارا بود آفرینندهٔ

(۱۸) که اندازهٔ آفرینش بدوست
دم دانش و داد بینش بدوست

(۹) پھر بھی اس کی بخشش دیکھئے کہ اس نے خود اپنے نام پکارنے کی اجازت دی ہے اور اس کے شمار کئے جانے کو منظور کیا ہے۔

(۱۰) اگر اس کا فیض عام نہ ہوتا تو کس کی مجال تھی کہ اس کا نام پکارتا۔

(۱۱) جس کسی نے ادب سے اس کا نام پاک لیا۔ ہُما ہوا سے آکر اس کے جال میں پناہ گزین ہوا۔

(۱۲) اس کا نام مبارک اس قدر دل نشیں ہے کہ خاصان خدا اپنے دل کو اس کا نگین بناتے ہیں۔

(۱۳) جس کسی نے اس کی محبت کا داغ دل پر کھایا، پری بھی اس کے چراغ (داغ) کی پروانہ بن گئی۔

(۱۴) نہ وہ سائلوں کے انبوہ سے ناخوش ہوتا ہے نہ پناہ لینے والوں سے تنگ آتا ہے۔

(۱۵) وہ (خدا) ان لوگوں کا خریدار ہے جو اپنے وجود کو اس کے ہاتھ فروخت کرنا چاہیں۔ اور وہ ان کو بھی صلہ دیتا ہے۔ جو سعیٔ لاحاصل میں مشغول ہیں۔

(۱۶) وہ انہی کا دل لیتا ہے جو سچے عاشق ہیں اور انہی کے ناز اٹھاتا ہے جو عاجز و حقیر ہیں (جن کے ناز اٹھانے والا کوئی نہیں ہے)

(۱۷) کوئی مبصر اس حقیقت کے سوا نہ دیکھ پایا کہ ہمارا ایک ہی خالق ہے۔

(۱۸) کہ جس کے ہاتھ میں تمام مخلوقات کا اندازہ ہے اور دانش و بینش اسی کے طفیل ظہور میں آتے ہیں۔

(۱۹) جہاں داورو دانش آموزگار
بہ خود روشنائی دہ روزگار

(۲۰) کشایندۂ گوہر آگیں پرند
ز پروین بہ پہنائی آں نقش بند

(۲۱) نگارندۂ پیکر آب و گل
شمارندۂ گوہر جان و دل

(۲۲) بگردش درآرندۂ نہ سپہر
بگردون برآرندۂ ماہ و مہر

(۲۳) روان را بدانست سرمایہ ساز
زبان را بہ گفتار پیرایہ ساز

(۲۴) بشاہی نشاندۂ خسروان
ز رہزن رہانندۂ رہروان

(۲۵) بہ دانش بداندیش فرزانگاں
بہ مستی نگہدار دیوانگاں

(۲۶) شناساگر رازدانان براست
توانا کن ناتوانان بہ خواست

(۲۷) جگر را زخونابہ آشام دہ
نفس را بہ بی تابی آرام دہ

(۲۸) شبستانیانش ز می غازہ جوی
بیابانیانش ز خود تازہ روی

(۱۹) جہان کا مالک، دانش سکھانے والا اور آفتاب سے زمانے کو منوّر کرنے والا۔

(۲۰) جس نے موتیوں سے ٹکے ہوئے حریر (ستاروں بھرے آسمان) کو پھیلایا اور اس کی سطح کو پروین سے سجایا

(۲۱) اس نے ہی آب و گل کے اس پیکر (انسان) کو آراستہ کیا اور وہی جان و دل کے جواہرات کا حساب رکھتا ہے۔

(۲۲) تو آسمانوں کو گردش میں لانے والا اور چاند سورج سے آسمان کو رونق دینے والا۔

(۲۳) روح کو علم کے سرمایہ سے اور زبان کو گویائی کے زیور سے مالا مال کر دیا۔

(۲۴) بادشاہوں کو سلطنت دینے والا اور راہروں کی رہزنوں سے حفاظت کرنے والا۔

(۲۵) فرزانوں کو علم و دانش کا فیض پہنچایا اور دیوانوں (عاشقانِ الٰہی) کو مستی میں لغزش سے بچایا۔

(۲۶) راز دانوں کو راہ راست کی معرفت عطا کی اور ناتوانوں کو اپنی مشیت سے توانائی بخشی۔

(۲۷) جگر کو خون آشامی ودیعت کرنے والا اور نفس کو بے تابی میں آرام دینے والا۔

(۲۸) اس کے شبستانِ عیش میں رہنے والے شراب سے غازہ کا کام لیتے ہیں، اور اس کے بیابانِ محبت کے آوارہ گرد سورج کی تمازت میں ہشاش بشاش رہتے ہیں۔

(۲۹) گران مایگان عرق کوثرازو
خسان خستهٔ موج ساغرازو

(۳۰) مناجاتیان پیش وی در نماز
خراباتیان را بدو چشم باز

(۳۱) اگر کافرانند زنهاریش
وگر مومنان در پرستاریش

(۳۲) هوالحق سرایان او غیب جوی
اناالحق نوایان او تلخ گوی

(۳۳) چو اینجا رسیدم ہمایوں سروش
بمن بانگ برزد کہ غالب خموش

(۳۴) بپاشید درلرزہ بندم زبند
تپان ہمچو بر روی آتش سپند

(۳۵) چو از وی پذیرای راز آمدم
مناجات را پرده ساز آمدم

(۳۶) بساز نیایش شدم زخمہ ریز
بدان تا بدینسان کنم زخمہ تیز

(۲۹) عالی مرتبہ لوگ اس کی بدولت کوثر میں غرق رہتے ہیں اور کم رتبہ اسی کی مشیت سے موج ساغر میں ڈوبے رہتے ہیں۔

(۳۰) اگر عبادت گذار اس کے سامنے سربسجدہ ہیں تو رندوں کی نظر بھی اسی کی طرف لگی ہوئی ہے۔

(۳۱) کافر ہیں تو اس کی پناہ میں ہیں اور اگر مؤمن ہیں تو اس کی اطاعت میں مشغول۔

(۳۲) وہ لوگ جو ھُوالحق (وہی حق ہے) کہتے ہیں وہ عیب سے پاک ہیں اور جو انا الحق (میں حق ہوں) کے مدعی ہیں سچ کہتے ہیں اگرچہ تلخ کیوں نہ ہو۔

(۳۳) جب میں اس منزل پر پہونچا تو فرشتہ غیب نے تنبیہ کی کہ بس غالب خاموش رہ۔

(۳۴) میرا ایک ایک عضو کانپ گیا اور میں اس طرح تڑپا جیسے آگ پر سپند۔

(۳۵) جب میں غیبی آواز کے راز سے واقف ہوا تو مناجات کی لے چھیڑی۔

(۳۶) چناں چہ میں نے عاجزی کے ساز پر مضراب لگائی تاکہ کس طرح اس (مضراب) میں تیزی آئے۔

→•○•←

مناجات

(۳۷) خدایا ز بانیکہ بخشیدہ ای
بہ نیروی جانی کہ بخشیدہ ای

(۳۸) دمادم بہ جنبش گراید ہمی
ز راز تو حرفی سراید ہمی

(۳۹) ندانم کہ پیوند حرف از کجاست
درین پردہ لحنی شگرف از کجاست

(۴۰) گر از دل شناسم جنون بیش نیست
کہ آن نیز یک قطرہ خون بیش نیست

(۴۱) خرد را سگالم کہ نیرو دہد
خود او را ز من حیرتی رو دہد

(۴۲) نہ آخر سخن را کشایش ز تست
بہ نابود چندین نمایش ز تست

(۴۳) چو پیدا تو باشی نہان ہم توئی
اگر پردہ باشد نہ آنہم توئی

مناجات

(۳۷) الٰہی تو نے جو زبان ہم کو بخشی ہے وہ تیری دی ہوئی طاقت ہے جو روح کو عطا کی گئی ہے۔

(۳۸) وہ (زندگی) برابر جنبش کی طرف مائل رہتی ہے اور تیرے راز کا ایک حرف بیان کرتی ہے۔

(۳۹) میں نہیں جانتا کہ حرف کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوا ہے اور اس پردے میں نادر نغمے کہاں سے آئے ہیں۔

(۴۰) اگر میں یہ خیال کروں کہ یہ دل کی بدولت ہے تو یہ دیوانگی کی بات ہے کیوں کہ ایک قطرۂ خون سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

(۴۱) اگر یہ کہوں کہ یہ قوت عقل سے حاصل ہوئی ہے تو وہ خود مجھے دیکھ کر حیرت زدہ ہے (کسی کو کیا قوت دے گی)

(۴۲) سخن کی صلاحیتیں بھی آخر تیرے ہی بدولت ہیں اور عدم کی یہ نمود و نمائش تیرا ہی کرشمہ ہیں۔

(۴۳) تو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اگر کوئی پردہ (حجاب) ہے بھی تو تو ہی ہے۔

(۴۴) بهر پرده دمساز کس جز تو نیست
شناسندهٔ راز کس جز تو نیست

(۴۵) چه باشد چنین پرده ها ساختن
شگافی بهر پرده انداختن

(۴۶) بدین روی روشن نقاب از چه رو
چو کس جز تو نبود حجاب از چه رو

(۴۷) بهر گونه پروازش هست و بود
جمال و جلال تو گیرد نمود

(۴۸) به گردون ز مهر و باختر ز تاب
به دریا ز موج و بگوهر ز آب

(۴۹) بانسان ز نطق و به مرغ از خروش
بنادان ز وهم و بدانا ز هوش

(۵۰) بچشم از نگاه و به آهو ز رم
بچنگ از نوی و بمطرب ز دم

(۵۱) به باغ از بهار و بشاه از نگین
بگیسو ز پیچ و به ابرو ز چین

(۵۲) عیار وجود آشکارا کنی
نشانهای جود آشکارا کنی

(۵۳) جمال تو ذوق تو از روی تو
جلال تو تاب تو از خوی تو

(۴۴) ہر پردہ میں دم ساز تیرے سوا کوئی نہیں اور راز حقیقت سے واقف تیرے سوا دوسرا نہیں۔

(۴۵) آخر اتنے پردے کیوں ڈال رکھے ہیں اور کمال یہ ہے کہ ہر پردہ میں قدم قدم پر رخنے ہیں۔

(۴۶) اس روئے روشن پر نقاب کس لئے جب تیرے سوا کوئی موجود نہیں تو پردہ کس سے۔

(۴۷) وجود کی ہر تجلی میں تیرا ہی جمال و جلال آشکار ہے۔

(۴۸) آسمان پر آفتاب سے، ستاروں میں تابش، دریا میں موج سے، موتی میں آب سے۔

(۴۹) انسان میں قوت گویائی سے، پرندوں میں چہچہوں سے، نادان میں وہم سے اور دانا لوگوں میں عقل سے۔

(۵۰) آنکھ میں نگاہ سے، ہرن میں وحشت سے، طنبور میں نغمہ سے اور مطرب میں سانس سے۔

(۵۱) باغ میں بہار سے، بادشاہوں میں نگین سے، گیسو میں پیچ سے اور ابرو میں شکن سے۔

(۵۲) تو ہی وجود کا پرتو ڈالتا ہے اور اپنی فیاضی کے نمونے دکھاتا ہے۔

(۵۳) تیرا اپنی ذات سے ذوق، جمال سے عبارت ہے اور تیری خو کی گرمی سے مراد جلال ہے۔

(۵۴) جمالِ ترا ذرّہ از آفتاب
جلالِ ترا یوسف اندر نقاب
(۵۵) چہ باشد چنیں عالم آرائی
ہمانا خیالی و تنہائی

(۵۶) تویٔ آں کہ چوں پا گذاری بہ راہ
نیابی بجز خویشتن جلوہ گاہ
(۵۷) چو رُو در تماشای خویش آوری
ہم از خویش آئینہ پیش آوری
(۵۸) پدید آوری برگ و سازی فراخ
چو نخلی یا نبوہی برگ و شاخ

(۵۹) قلم در کف و تاج بر سر رسد
بہر جا رسد ہر چہ از در رسد
(۶۰) بہ چرخ والائی و برتری
بچار آخشیج آدمی پیکری
(۶۱) بہ یزدانیاں فرّۂ ایزدی
بیونانیاں بہرۂ بخردی
(۶۲) بہ کشور کشایان دم گیر و دار
بہ مسکین گدایان غم پود و تار

(۵۴) تیرے جمال کے سامنے آفتاب ایک ذرہ ہے اور تیرے جلال کا یوسف چہرے پر نقاب ڈالے رکھتا ہے۔

(۵۵) یہ عالم آرائی کا ہنگامہ ایک خیال اور تنہائی کے سوا کچھ نہیں (یعنی عالم محض تیرا خیال ہے۔ ورنہ تو جیسا کہ ہمیشہ سے تنہا تھا، تنہا ہے)

(۵۶) تیری ذات وہ ہے کہ جب جلوہ نما ہوتی ہے تو اس کے لئے اپنے سوا دوسری جلوہ گاہ نہیں ہوتی۔

(۵۷) جب تو اپنے نظارہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اپنے آگے اپنا ہی آئینہ رکھ لیتا ہے۔

(۵۸) جس طرح درخت پتوں اور شاخوں کے ساتھ (جو اسی میں پوشیدہ تھے) ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح تو نے اپنی ذات سے اتنی بڑی کائنات ظاہر کردی۔

(۵۹) کسی کے ہاتھ کو قلم اور کسی کے سر کو تاج میسر ہوتا ہے اور جو کچھ ملتا ہے مناسب ہی ملتا ہے۔

(۶۰) تو آسمانوں کو بلندی (عطا کی) اور چار عناصر کو پیکر انسانی۔

(۶۱) یزداں پرستوں کو غیبی شان و شوکت، اہل یونان کو دانائی کی دولت۔

(۶۲) فاتحوں کو سیاست و قوت اور غریب ناداروں کو فکر معاش۔

(۶۳) بناهیدیان بادهٔ بیغمی
به کیوانیان گونهٔ ماتمی

(۶۴) بمستان نشید و به عشاق آه
بآهن کلید و به زر نام شاه

(۶۵) به بیرنگ نقش و به پرکار سیر
بطامات کعن و بطاعات خیر

(۶۶) به ابر از پی خاک آب حیات
به خاک از نم ابر جوش نبات

(۶۷) بمی در فروغیکه چون بردمد
زسیمای میخواره نیسر دمد

(۶۸) به نی در نواییکه چون برکشند
بآواز آن ناله ساغر کشند

(۶۹) بساقی خرامیکه از دلبری
زشاهد برد دل بساقی گری

(۷۰) بشاهد اداییکه از سرخوشی
بساقی دهد داروی بیهشی

(۷۱) به آزاده دستیکه ساغر زند
به افتاده سنگیکه بر سر زند

(۷۲) بر آیینه ماراکه تر دامنیم
ز دیوانگی با خرد دشمنیم

(۶۳) ناہیدیوں (وہ جن کی ولادت کے وقت زُہرہ شرف میں ہو) کو شراب عیش اور کیوانیوں (وہ لوگ جن کی پیدائش زحل کے زیر اثر ہوئی ہو) کو لباس ماتم۔

(۶۴) مستوں کو نغمہ اور عاشقوں کو آہ، لوہے (قفل) کو کنجی اور سکہ کو بادشاہ کا نام۔

(۶۵) خاک کو نقش اور پرکار کو گردش، ریاکار صوفیوں کے دعووں کو لعنت اور عبادت کو نیک نامی۔

(۶۶) بادلوں کو آب حیات تاکہ زمین کو سیراب کریں اور زمین کو بادلوں کے اثر سے نشوونما کا جوش۔

(۶۷) شراب کو وہ روشنی کہ اس سے میخواروں کے چہرے چمک اٹھیں۔

(۶۸) بانسری میں وہ نغمہ کہ اس کی آواز سن کر مے خوار ساغر اٹھالیں۔

(۶۹) ساقی کو وہ رفتار کہ خود حسینوں کے دل اس کی ساقی گری پر قربان جائیں۔

(۷۰) حسینوں کو وہ ادا جو ساقی کو دارو ئے بے ہوشی بخشے۔

(۷۱) آزادوں کو وہ ہاتھ جو ساغر شراب پیئے اور عاجزوں کو پتھر جو اپنے سر پر دے ماریں۔

(۷۲) ہم جو گنہ گار اور اپنی دیوانگی سے عقل کے دشمن ہیں۔

(۷۳) زآلودگیہا گرانی بود
ہمہ سختی و سخت جانی بود

(۷۴) زہر شیوہ نازسازگاری رسد
زہر گوشہ صدگونہ خواری رسد

(۷۵) بہ بزم ارچہ درخوردن بادہ ایم
ولیکن بداں گوشہ افتادہ ایم

(۷۶) کہ چوں سوی ما ساقی آرد بسیچ
نیابیم جز گردش از جام ہیچ

(۷۷) بہ کفر آنچناں کردہ کوشش کہ خویش
نہ باشیم تاری ز زنار بیش

(۷۸) ز لب جز بہ ناگفتنی کار نہ
زخود جز بہ نفریں سزاوار نہ

(۷۹) نہ سودای عشق و نہ راہ صواب
نہ در سینہ آتش نہ در دیدہ آب

(۸۰) نہ دستور دان و نہ خسرو شناس
نہ از شحنۂ شرع در دل ہراس

(۸۱) نیاسودہ از ما بہ کنج و کمیں
کسی جز وقائع نگار یمیں

(۸۲) گناہ آں قدر ہا بردن از شمار
کہ رنجد یسار سروش یسار

(۷۳) معصیت کی گرانی اور سختی وسخت جانی میں مبتلا ہیں۔

(۷۴) ہم کو ہر طرف سے مخالفت اور ہر گوشہ سے رسوائی ملی۔

(۷۵) محفل میں اگرچہ ہم شراب پیئے معلوم ہوتے ہیں مگر وہاں بھی ہماری قسمت میں ایسا گوشہ آیا ہے

(۷۶) کہ جب ساقی ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے تو ہمارے حصہ میں گردش جام کے سوا کچھ نہیں آتا۔

(۷۷) ہم کفر میں اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ اب ہماری حیثیت زنّار کے تار سے زیادہ نہیں۔

(۷۸) ہمارے ہونٹوں پر جو بات آتی ہے وہ ناگفتنی اور ہم اس قابل ہیں کہ خود اپنے اوپر نفریں کریں۔

(۷۹) نہ سودائے عشق ہے نہ راہ راست، نہ سینہ میں محبت کی گرمی نہ آنکھوں میں آنسو۔

(۸۰) نہ شاہ سے مطلب ہے نہ وزیر سے، اور نہ دل میں شحنۂ شریعت کا خوف

(۸۱) ہم اس قابل نہ ہوئے کہ ہم سے کسی کو آرام ملتا اگر ملا تو صرف اس فرشتہ کو سیدھے ہاتھ پر نیکیاں درج کرتا ہے۔

(۸۲) گناہ شمار سے اس قدر باہر ہیں کہ اُلٹے ہاتھ کے فرشتے کا ہاتھ دکھ گیا ہو تو بعید نہیں۔

(۸۳) چو از پردہ پرسش وجو بگذرند
روانہای ما را بدوزخ برند

(۸۴) بر آئینہ از ما بہ تردامنی
فرد میرد آتش بدان روشنی

(۸۵) بدان تا چو این گرد خیزد ز راہ
بہ سوزند ما را بشرم گناہ

(۸۶) ولی با چنیں آتشی خانہ سوز
تر و خشک و آباد ویرانہ سوز

(۸۷) نہ این بسکہ سوزان بداغ تو ایم
ز پروانگان چراغ تو ایم

(۸۸) بہر گونہ کالا روائی ز تست
بما بہرۂ ناروائی ز تست

(۸۹) تو نیز اینکہ ہر چیز و ہر کس ز تست
بہار و خزان و گل و خس ز تست

(۹۰) بہ روزیکہ مردم شوند انجمن
شود تازہ پیوند جانہا بہ تن

(۹۱) روان را بہ نیکی نواز ندگاں!
بسرمایۂ خویش نازندگاں

(۹۲) گہرہای شہوار پیش آورند
فروہیدہ کردار پیش آورند

(۸۳) جب حشر میں پرسش اعمال ہو چکے گی تو ہمیں دوزخ جانے کا حکم ملے گا۔

(۸۴) ہماری تر دامنی سے یقیناً دوزخ کی آگ بجھ کر رہ جائے گی۔

(۸۵) اس لئے کہ جب یہ گرد راہ سے ہٹے تو ہمیں شرم گناہ سے جلایا جائے۔

(۸۶) لیکن ایسی خانہ سوز آگ کے ہوتے ہوئے جو تمام تر و خشک اور آباد و ویرانہ کو جلاکر راکھ کر دیتی ہے۔

(۸۷) کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ہم تیرے داغ محبت میں جلنے والے اور تیرے چراغ کے پروانے ہیں۔

(۸۸) ہر جنس کو تو نے رواج دیا البتہ ایک ہم ہیں جن کے حصے میں کساد بازاری آئی۔

(۸۹) کائنات کی ہر چیز اور ہر شخص تجھ سے وابستہ ہے۔ بہار خزاں، گل و خس سب تیرے ہیں۔

(۹۰) اس دن جب کہ لوگ حشر میں یک جا ہوں گے اور جان و تن کو باہم پیوند ملے گا۔

(۹۱) اعمال نیک بجالانے والے اور اپنے سرمایہ پر ناز کرنے والے۔

(۹۲) گھر ملئے شہوار لے کر آئیں گے اور اپنے نیک اعمال پیش کریں گے۔

(۹۳) ز نوریکہ ریزند و خرمن کنند
جہاں را بہ خود چشم روشن کنند

(۹۴) بہنگامہ با این جگر گوشگان
درآیند مشتی جگر توشگان

(۹۵) زحسرت بدل بردہ دندان فرد
زخجلت سراندر گریبان فرد

(۹۶) درآں حلقہ من باغم وسینۂ
زغمہای ایام گنجینۂ

(۹۷) درآب و درآتش بسر بردۂ
زدشواری زیستن مردۂ

(۹۸) تن از سایۂ خود بہ بیم اندرون
دل ازغم بہ پہلو دو نیم اندرون

(۹۹) زناسازی و ناتوانی بہم
دم اندر کشاکش ز پیوند دم

(۱۰۰) زبس تیرگیہای روز سیاہ
نگہ خوردہ آسیب دوش از نگاہ

(۱۰۱) بہ بخشای برنا کسیہای من
تہی دست و درماندہ ام وای من

(۱۰۲) بدوش ترازو مبند بار من
نسنجیدہ بگذار کردار من

(۹۳) وہ اپنے نور کے حسن سے جہان کی آنکھوں کو روشنی بخشیں گے۔

(۹۴) اس ہنگامے میں ان خاصان حق کے ساتھ کچھ پریشان حال عاشق بھی حاضر ہوں گے۔

(۹۵) حسرت سے دل کو گھائل کیئے ہوئے اور شرمندگی سے گریبان میں سر ڈالے ہوئے۔

(۹۶) اس حلقہ میں میں اس حالت میں موجود ہوں گا کہ میرا سینہ غم روزگار سے لبریز ہوگا۔

(۹۷) پانی (اشکِ ندامت) اور آگ (آتش حسرت) میں زندگی گذارے ہوئے اور زیست کی دشواری کے باعث مردہ کی طرح (آب و آتش میں ہونا انتہائی بے چینی کے لئے مستعمل ہے)

(۹۸) تن اپنے سایہ سے ڈرتا ہوا اور دل غم سے پہلو میں دو نیم۔

(۹۹) ناتوانی اور ناسازی کے باعث سانس آمد و رفت کی کشاکش میں گرفتار۔

(۱۰۰) روز سیاہ یعنی بدبختی کی سیاہی سے رات نگاہ سے نگہہ کو نقصان پہنچا۔ (نگہہ۔ نگاہ سے ایک الف کے بقدر کم ہے)

(۱۰۱) خداوندا اس وقت نالائق کو بخش دینا۔ آہ! میں تہی دست اور درماندہ ہوں، میری حالت پر رحم کر۔

(۱۰۲) میرے گناہوں کے بوجھ کو اپنے انصاف کی ترازو میں مت تول میرے اعمال کو حساب کے بغیر بخش دے۔

(۱۰۳) بکردار سنجی میفزای رنج
گران باری درد عمری بسنج

(۱۰۴) که من با خود از هرچه سنجد خیال
ندارم بغیر از نشان جلال

(۱۰۵) اگر دیگران را بود گفت و کرد
مرا مایهٔ عمر رنج ست و درد

(۱۰۶) چه پرسی چو آن رنج و درد از تو بود
غمی تازه در هر نورد از تو بود

(۱۰۷) فرو هل که حسرت خمیر منست
دم سرد من زمهریر منست

(۱۰۸) مبادا به گیتی چو من هیچ کس
جحیمی دل زمهریری نفس

(۱۰۹) به پرسش مرا در هم افشرده گیر
پرکاه را صرصری برده گیر

(۱۱۰) پس آنگه به دوزخ فرستاده دان
در آتش خس از باد افتاده دان

(۱۱۱) ز دود یکه بر خیزد از سوز من
شود بیش تاریکی روز من

(۱۱۲) در آن تیرگی نبود آب حیات
که بروی خضر را نویسی برات

(۱۰۳) میرے اعمال کا حساب لے کر میرے غم میں اضافہ نہ کر بلکہ میری زندگی کے مصائب پر نظر کر (میں نے زندگی کس طرح گذاری)

(۱۰۴) کیوں کہ ہرا مر میں جس تک خیال کی رسائی ہو سکتی ہے میں نے اپنے اندر تیرے جلال کی علامت کے سوا اور کچھ نہ پایا۔

(۱۰۵) اگر دوسروں نے اپنے قول و عمل کا ثبوت دیا تو میرے پاس زندگی بھر کی پونجی رنج والم کے سوا کچھ نہیں ہے

(۱۰۶) میرے درد و غم کے بارے میں کیا پوچھنا جب کہ وہ تیرا ہی عطا کیا ہوا ہے۔ اور تیرے ہی حکم سے ہر غم میری زندگی کا مقدر بن گیا ہے۔

(۱۰۷) میرے گناہوں سے درگذر کر کیوں کہ حسرت میرا خمیر بن گئی ہے اور آہ سرد میرے لئے زمہریر کا حکم رکھتی ہے۔ (یہاں زمہریر سے مراد وہ سردی کا عذاب ہے جو دوزخ میں دیا جائے گا)

(۱۰۸) دنیا میں مجھ جیسا کوئی نہ ہوگا جس کا دل گرمی میں دوزخ اور سردی کے اعتبار سے زمہریر ہو۔

(۱۰۹) حساب کے وقت میری پریشان حالی پر نظر کرنا اور یہ سمجھ لینا کہ میں ایک گھاس کا تنکا تھا جس کو ہوا اڑا کر لے گئی۔

(۱۱۰) یہ خیال کر لینا کہ میں دوزخ میں جا چکا اور میرے وجود کے تنکے کو ہوا نے آگ کی نذر کر دیا۔

(۱۱۱) میرے سوز غم سے جو دھواں اٹھے گا اس سے میرا دن اور زیادہ تاریک ہو جائے گا۔

(۱۱۲) اس تاریکی (ظلمت) میں آب حیات کہاں کہ جو تو نے خضر کے مقدر میں لکھا تھا۔

(۱۱۳) زدود دستِ راریکه من در دهم
نه گردون فرازم نه اختر دهم

(۱۱۴) فتد بر تنم چون ازان شعله داغ
نه سوزد به خاک شهیدان چراغ

(۱۱۵) اگر نالم از غم زغوغای من
نه پیچد به فردوس آوای من

(۱۱۶) که زهّاد مینو نشیں زان صدا
به افشاندن دست کوبند پا

(۱۱۷) وگر هم چنین ست فرجام کار
که می باید از کرده راندن شمار

(۱۱۸) مرا نیز یاری گفتار ده
چو گویم بر آن گفته زنهار ده

(۱۱۹) درین خستگی پورش از من مجوی!
بود بندهٔ خسته گستاخ گوی!

(۱۲۰) دل از غصه خون شد نهفتن چه سود
چو ناگفته دانی نه گفتن چه سود

(۱۲۱) زبان گرچه من دارم امّا ز تست
به تست ارچه گفتارم امّا ز تست

(۱۱۳) اس دھوئیں اور چنگاریوں سے جو میرے وجود سے نکلیں گی۔ نہ دوسرا آسمان قائم ہوگا، نہ ستاروں میں اضافہ ہوگا (دھوئیں کو آسمان اور چنگاریوں کو ستارے قرار دیا ہے)

(۱۱۴) جب اس شعلہ سے میرے تن پر داغ پڑیں گے تو ان سے اتنا بھی نہ ہوگا کہ شہیدوں کی قبر کے چراغ جلیں۔

(۱۱۵) اگر میں غم سے فریاد کروں گا تو جنت میں میری آواز بھی نہ گونجے گی۔

(۱۱۶) جس سے جنت کے رہنے والے زاہد وجد میں آکر ہاتھ پاؤں پٹکیں۔

(۱۱۷) اگر یہی طے ہے کہ اعمال کا حساب لیا جائے۔

(۱۱۸) مجھ کو بھی بولنے کا موقع دے اور جو کہوں اس پر پناہ دے (مواخذہ نہ کر)

(۱۱۹) اس پریشان حالی میں مجھ سے معذرت کی امید نہ رکھ اس لئے کہ جب آدمی کا ذہن پراگندہ ہوتا ہے تو وہ گستاخی کے لئے مجبور ہوتا ہے۔

(۱۲۰) میرا دل غم سے خون ہوگیا ہے اس لئے چھپانے سے کیا فائدہ جب کہ تو بن کہے جان لیتا ہے تو راز کو پوشیدہ رکھنے سے کیا حاصل؟

(۱۲۱) اگرچہ مجھے زبان ملی ہے لیکن وہ بھی تیری دین ہے اور اگرچہ میرا روئے سخن تجھ ہی سے ہے لیکن یہ بھی تیری رضا سے ہے۔

(۱۲۲) همانا تو دانی که کافر نیم
پرستار خورشید و آذر نیم

(۱۲۳) نکشتم کسی را به اهریمنی
نبردم ز کس مایه در رهزنی

(۱۲۴) مگر می که آتش به گورم ازوست
به هنگامه پرواز مورم ازوست

(۱۲۵) من اندوه گین و می اندہ ربای
چه می کردم ای بنده پرور خدای

(۱۲۶) حساب می و رامش و رنگ و بوی
ز جمشید و بهرام و پرویز جوی

(۱۲۷) که از باده تا چهره افروختند
دل دشمن و چشم بد سوختند

(۱۲۸) نه از من که از تاب می گاه گاه
به دریوزه رخ کرده باشم سیاه

(۱۲۹) نه بستان سرائی نه میخانه ای
نه دستان سرائی نه جانانه ای

(۱۳۰) نه رقص پری پیکران بر بساط
نه غوغای رامش گران در رباط

(۱۳۱) شبانگه به می رهنمونم شدی
سحر گه صنب نگار خودم شدی

(۱۲۲) بے شک تو واقف ہے کہ میں کافر نہیں ہوں آفتاب اور
آگ کو نہیں پوجتا۔

(۱۲۳) نہ میں نے کسی کو شیطان کے اغوا سے قتل کیا ہے اور نہ کسی
کی دولت پر ڈاکہ ڈالا

(۱۲۴) بجز شراب کے (جس کے سبب سے میری قبر میں آگ بھری
ہوئی ہے) اور ہنگامے میں اس کے باعث میں کم زور چونٹی کی
چال چلتا ہوں (اور میں نے کوئی قصور نہیں کیا)

(۱۲۵) میں غم کا مارا ہوا اور شراب غم کھونے والی۔ اے بندہ پرور
خدا۔ آخر میں کیا کرتا

(۱۲۶) مجھ سے شراب، نغمہ اور رنگ و بو کا کیا حساب لیتا ہے۔ یہ
حساب تو جمشید، بہرام اور پرویز جیسے بادشاہوں سے لے۔

(۱۲۷) جو شراب پی کر دشمن کے دل اور حاسد کی آنکھ کو آگ لگا۔ پیتے تھے۔
(یعنی دشمنوں کو جلاتے تھے)

(۱۲۸) مجھ سے حساب نہ لے کہ کبھی کبھی میں شراب کی چمک سے عارضی
طور پر منہ کالا کرتا تھا۔

(۱۲۹) میرے پاس نہ خانہ باغ، نہ مے خانہ، اور دل بہلانے کے لئے نہ
قصہ گو نہ محبوب۔

(۱۳۰) نہ بساط پر حسینوں کا رقص، نہ بزم میں مطربوں کا غوغا۔

(۱۳۱) رات میں تو نے مجھے شراب کی راہ دکھائی اور صبح کو میرے
خون کا دعوے دار ہوا۔

(١٣٢) تمنای معشوقۂ بادہ نوش

تقاضای بیہودۂ میفروش

(١٣٣) چہ گویم چو ہنگام گفتن گذشت

زعمر گران مایہ برمن گذشت

(١٣٤) بسا روزگاران بہ دل داد گی

بسا نوبہاران بہ بی بادگی

(١٣٥) بسا روز باران و شبہای ماہ

کہ بودست بی می بچشم سیاہ

(١٣٦) افقہا پُر از ابرِ بہمن مہی

سفالینہ جامِ من از مَی تہی

(١٣٧) بہاران و من در غمِ برگ و ساز

درِ خانہ از بینوائی فراز

(١٣٨) جہان از گل و لالہ پُر بوی و رنگ

من و حجرہ و دامنِ زیر سنگ

(١٣٩) دم عیش جز رقص بسمل نبود

باندازۂ خواہش دل نبود

(١٤٠) اگر تافتم رشتہ گوہر شکست

وگر یافتم بادہ ساغر شکست

(١٤١) چہ خواہی ز دلق می آلود من

بہ بین جسم خمیازہ فرسود من

(۱۳۲) شراب پینے والی محبوبہ کی تمنا اور شراب فروش کا بے ہودہ تقاضا۔

(۱۳۳) کیا بیان کروں جب بیان کرنے کا وقت گذر گیا اور عمر گراں مایہ کے ہاتھوں مجھ پر یہ کچھ بیت گئی۔

(۱۳۴) ایک بڑا زمانہ عاشقی میں بسر ہوا اور نہ جانے کتنی بہاریں شراب کے بغیر گزریں۔

(۱۳۵) بہت سے برسات کے دن اور چاندنی راتیں، شراب کے بغیر میری آنکھوں میں تاریک تھیں۔

(۱۳۶) اُفق پر بہمن (مہینہ کا نام) کا ابر چھایا ہوتا تھا اور میرا مٹی کا ساغر شراب سے خالی ہوتا تھا۔

(۱۳۷) اُدھر بہار کا موسم، اِدھر غم معاش کی دشواری، مفلسی کے باعث گھر دروازہ میں ہمیشہ بند کئے رہتا تھا۔

(۱۳۸) دنیا گل و لالہ کی وجہ سے رنگ و بو سے معمور ہوتی اور میں اپنے تنگ حجرے میں اس طرح بیٹھا ہوتا کہ گویا دامن پتھر کے نیچے دبا ہوا ہے۔

(۱۳۹) عیش و خوشی کا جو لمحہ نصیب ہوا وہ رقص بسمل سے زیادہ نہ تھا اور اس سے دل کے ارمان پورے نہ ہوئے۔

(۱۴۰) اگر میں ڈورا بٹتا تو موتی ٹوٹ جاتے تھے اور اگر شراب ہاتھ آتی تو پیالہ پھوٹ جاتا تھا۔

(۱۴۱) میری شراب آلود گدڑی کا کیا کرنا میرے تن لاغر کو دیکھ جو انگڑائیاں لیتے لیتے گھس گیا۔

(۱۴۲) زپاییز گویم بهارم گذشت
زمی بگذرم روزگارم گذشت

(۱۴۳) بنا سازگاری زهم سایگان
بسرمایه جویی زنی مایگان

(۱۴۴) سراز منت ناکسان زیرخاک
لب از خاک بوس خسان چاک چاک

(۱۴۵) به گیتی درم بے نوا داشتی
دلم را اسیر هوا داشتی

(۱۴۶) نه بخشنده شاهی که بارم دهد
بهر بار ر پیل بارم دهد

(۱۴۷) که چوں پیل زانجا برانگیزمی
زرش برگدایان فروریزمی

(۱۴۸) نه نازک نگاری که نازش کشم
بهر بوسه زلف درازش کشم

(۱۴۹) چوآں غمزه نیشی بدل برخورد
رگ جاں غم نوک نشتر خورد

(۱۵۰) بداں عمر ناخوش که من داشتم
زجاں خار در پیرهن داشتم

(۱۵۱) چو دل زیں ہوس ہا بہ جوش آیدی
زدل بانگ خونم بگوش آیدی

(۱۴۲) بہار تو گذری، خزاں کی روداد سناؤں۔ شراب کا ذکر چھوڑوں کہ عمر ہی ختم ہوگئی۔

(۱۴۳) ہمسایہ کی مخالفت اور جو خود نادار ہوں ان سے سرمایہ مانگنے میں عمر گذری۔

(۱۴۴) نااہل لوگوں کے احسان سے میرا سر جھکا رہا اور ذلیل لوگوں کی خاک بوسی سے میرے لب زخمی ہو گئے۔

(۱۴۵) دنیا میں تو نے مجھے بے نوا رکھا مگر میرے دل کو خواہشوں میں گرفتار کر دیا۔

(۱۴۶) نہ کوئی فیاض بادشاہ ملا جو مجھے باریاب کرتا اور ہر بار ہاتھی کے قد کی برابر سونا بخشتا۔

(۱۴۷) کہ جب میں اپنا ہاتھ آگے بڑھاتا تو محتاجوں پر سونا بکھیرتا جاتا۔

(۱۴۸) نہ ایسا حسین ملا کہ اس کے ناز اٹھاتا اور اس کی دراز زلفوں کو بوسہ دیتا۔

(۱۴۹) جب اس کا غمزہ میرے دل پر وار کرتا تو میری رگ جاں نوک نشتر کا اثر محسوس کرتی۔

(۱۵۰) اس ناخوش گوار زندگی میں جو مجھے بسر کرنا پڑی جان ایسی خلش کا باعث ہوئی جیسے کپڑوں میں کانٹا گھس جائے۔

(۱۵۱) جب دل ان ہوسوں سے جوش میں آتا تو میرے کان میں دل کی طرف سے خون میں ڈوبی ہوئی آوازیں آتیں۔

(۱۵۲) هنوزم همان دل به جوش اندرست
زدل بانگ خونم به گوش اندرست

(۱۵۳) چه آن نامرادی بیاد آیدم
به فردوس هم دل نیاسایدم

(۱۵۴) دلی را که کمتر شکیبد به باغ
در آتش چه سوزی بسوزنده داغ

(۱۵۵) صبوحی خورم گر شراب طهور
کجا زهرهٔ صبح و جام بلور

(۱۵۶) دم شبرویهای مستانه کو
به هنگامهٔ غوغای مستانه کو

(۱۵۷) در آن پاک میخانهٔ بی خروش
چه گنجایی شورش نای و نوش

(۱۵۸) سیه مستی ابر و باران کجا
خزان چون نباشد بهاران کجا

(۱۵۹) اگر حور در دل خیالش که چه
غم هجر و ذوق وصالش که چه

(۱۶۰) چه منت نهد ناشناسی به یار
چه لذت دهد وصل بی انتظار

(۱۶۱) اگر نیز در دوزخ بیمش کجا
فریبد به سوگند و نیش کجا

(۱۵۲) ابھی میرے دل میں وہی جوش ہے اور دل سے کان ہیں بانگ
خون آرہی ہے۔
(۱۵۳) جب مجھے زندگی کی یہ ناکامیاں یاد آئیں گی تو جنت میں
بھی دل نہ لگے گا۔
(۱۵۴) اس دل کو جسے باغ میں بھی چین نہیں آتا دوزخ میں
کیوں جلاتا ہے؟
(۱۵۵) اگر جنت میں صبح کے وقت مجھے شراب طہور مل بھی جائے
تو زہرۂ صبح اور جام بلور کہاں؟
(۱۵۶) راتوں کی سرمستی اور صبح کا مستانہ غوغا کہاں؟

(۱۵۷) وہ تو ایک پاک مے خانہ ہے جہاں ہنگامہ ہو، حق اور
ناؤ نوش کے شور کی گنجائش کہاں۔
(۱۵۸) ابر و باراں کی سرمستی کہاں؟ جب وہاں خزاں ہی نہیں
ہے تو بہار کیوں کر ہوگی۔
(۱۵۹) اگر وہاں حور ملی تو دل میں اس کی یاد اور غم ہجر و ذوق وصال
کا کیا موقع؟
(۱۶۰) ناشناس حسین (حور) کیا احسان جتائے گی اور اس وصل
میں لذت کیا ہوگی جس میں انتظار نہ ہو۔
(۱۶۱) اس میں یہ بات کہاں کہ بوسہ مانگنے پر بھاگے اور اس کے
پاس دین کہاں جو جھوٹی قسم کھا کر دھوکا دے

(۱۶۲) برد حکم و نبود لبش تلخ گوی
دهد کام و نبود دلش کام جوی

(۱۶۳) نظر بازی و ذوق دیدار کو
بہ فردوس روزن بہ دیوار کو

(۱۶۴) نہ چشم آرزومند دلالۂ !
نہ دل تشنۂ ماہ پرکالۂ

(۱۶۵) از ینہا کہ پیوستہ می خواست دل
ہنوزم ہمان حسرت آلاست دل

(۱۶۶) چو پرسش رگی را بہ کاود ز دل
دو صد دجلہ خونم تراود ز دل

(۱۶۷) بہ فرمای کاین داوری چون بود
کہ از جرم من حسرت افزون بود

(۱۶۸) ہر آئینہ ہم چون منی را بہ بند
تلافی فرا خود بود نی گزند

(۱۶۹) بہ دین مویہ در روز امید و بیم
بہ گریم بدانسان کہ عرش عظیم

(۱۷۰) شود از تو سیلاب را چارہ جوی
تو بخشی بدان گریہ ام آبروی

(۱۷۱) وگر خون حسرت ہدر کردۂ
ز پاداش قطع نظر کردۂ

(۱۶۲) وہ تو صرف تعمیل کرے گی مگر اس کے لب تلخ گوئی سے ناآشنا ہوں گے۔ وہ آرزو بر لائے گی۔ لیکن خود اس کا دل آرزو سے خالی ہوگا۔

(۱۶۳) جنت میں نظر بازی اور ذوق دیدار کہاں اور اس کی دیوار میں جھانکنے کے لئے روزن کیسے؟

(۱۶۴) نہ آنکھیں کسی دلآلہ کی خواہش مند ہوں گی اور نہ دل کسی چاند کے ٹکڑے کا طالب ہوگا۔

(۱۶۵) ان چیزوں کی جن کو دل ہمیشہ چاہتا رہا اب تک میرے دل میں حسرتیں بھری ہوئی ہیں

(۱۶۶) اگر تیری پرسش دل کی کسی رگ کو کرید دے تو اس سے خون خون کے دو سَو دریا جاری ہو جائیں۔

(۱۶۷) مجھے بتا کہ یہ کیسا انصاف ہے کہ جرم کے مقابلہ میں میری حسرتیں زیادہ ہیں۔

(۱۶۸) ایسی حالت میں مجھ جیسے گرفتار غم کے لئے تلافی زیادہ بہتر ہے نہ کہ عذاب۔

(۱۶۹) اس غم سے روز قیامت میں اس قدر روؤں گا کہ عرش عظیم

(۱۷۰) تجھ سے سیلاب کا تدارک چاہے گا تو اس گریہ وزاری کی بدولت میری لاج رکھ لینا۔

(۱۷۱) اگر تو نے حسرتوں کے خون کی تلافی نہ کی، اور اس کے عوض سے قطع نظر کی۔

(۱۷۲) گذشتم ز حسرت امیدیم ہست
سپید آب روی پلیدیم ہست

(۱۷۳) کہ البتہ این رند ناپارسا
کج اندیشہ۔ گبر مسلماں نما

(۱۷۴) پرستار فرخندہ منشور تست
ہوادار فرزانہ دستور تست

(۱۷۵) بہ بند امید استواری فرست
بہ غالب خط رستگاری فرست

(۱۷۲) تو بھی حسرت درکنار، مجھے تیری ذات سے امید اور سرخروئی کی توقع ہے۔

(۱۷۳) کیوں کہ یہ رند گنہ گار جو بظاہر مسلمان ہے مگر کافروں کی طرح کج رائے۔

(۱۷۴) تیرے کلامِ پاک کا احترام کرنے والا اور تیرے رسولِ مقبول سے محبت رکھنے والا ہے

(۱۷۵) امید کے رشتے کو استواری دے اور غالب کے لئے پروانۂ نجات بھیج دے۔

نعت

(۱۷۶) بنام ایزد ای کلک قدس صریر
بهر جنبش از غیب نیرو پذیر
(۱۷۷) زمهر رم بدل همچو آه اندر آی
زدل تا برآرم به گردوں برآی

(۱۷۸) چو بر سلسبیلت رہ افتد بخم
خیابان خیابان به مینو بچم
(۱۷۹) بدم درکش آب گہرسای را
نمودار کن گوهر لای را
(۱۸۰) فرو رو بدان لای و دیگر بدی
زسر سبز گردو فرو سو بپوی
(۱۸۱) شگافی ازاں در به خویش اندر آر
بهشتی نسیمی به پیش اندر آر
(۱۸۲) بدانم که اندر سرشت آوری
بداں باد خوش کز بهشت آوری

نعت

(۱۷۶) اے پاک قلم جو چشم بد دور ہر جنبش پر غیب سے طاقت حاصل کرتا ہے۔

(۱۷۷) مہربانی سے میرے دل میں اس طرح آ جیسے آہ کی دل میں جگہ ہوتی ہے۔ اور پھر اس طرح دل سے باہر آ کہ تجھے آسمان تک پہنچا دوں

(۱۷۸) جب سلسبیل تک تیرا گذر ہو تو جھک جا اور روش پھرتا ہوا جنت میں خرام کر۔

(۱۷۹) سلسبیل کے صاف پانی کو اپنی سانس سے چڑھا لے۔ اور تلچھٹ کی خاصیت کو آشکارا کر۔

(۱۸۰) اس تلچھٹ میں اتر جا اور دوبارہ اُگ از سر نو سبز ہو اور نیچے کی طرف (زمین کی طرف) گرم رفتار ہو۔

(۱۸۱) وہاں سے اپنے اندر شگاف پیدا کر اور جنت کی ہوا حاصل کر۔

(۱۸۲) جو نمی تیری سرشت ہو گئے اور جو ہوا تو جنت سے ساتھ لائے۔

(۱۸۳) دل آویز ترجنبشی ساز کن
به جنبش رقم سنجی آغاز کن

(۱۸۴) درودی به عنوان دفتر نویس
به دیباچه نعت پیمبر نویس

(۱۸۵) محمد کز آئینۂ روی دوست
جز نیش ندانست دانا کہ اوست

(۱۸۶) زہی روشن آئینۂ ایزدی
کہ در وی نہ گنجیدہ زنگ خودی

(۱۸۷) ز راز نہاں پردہ بر زدہ
ز ذات خدا معجزی سر زدہ

(۱۸۸) تمنای دیرینۂ کردگار
بوی ایزد از خویش امیدوار

(۱۸۹) تن از نور پالودہ سر چشمۂ
دلی ہم چو مہتاب در چشمۂ

(۱۹۰) بہر جام از و تشنۂ جرعہ خواہ
بہر گام از و معجزی سر راہ

(۱۹۱) کلامش بدل در فرود آمدن
زدم جستہ پیشی بہ زود آمدن

(۱۹۲) خرامش بسنگ از قدم نقشبند
بہ رنگیکہ نادیدہ پایش گزند

(۱۸۳) اس کی مدد سے پہلے سے زیادہ دل کش حرکت اختیار کر اور حرکت کے ساتھ نعت کی تحریر شروع کر۔

(۱۸۴) کتاب کے عنوان کے طور پر درود لکھ اور دیباچہ میں پیغمبر خدا کی نعت تحریر کر۔

(۱۸۵) وہ کون! محمد صلعم جن کو آئینۂ جمالِ الٰہی ہونے کی حیثیت سے اہلِ دانش نے صرف اتنا جانا کہ وہ ہیں۔

(۱۸۶) آپؐ کی ذات خدا کا روشن آئینہ ہے۔ جس پر خودی کا زنگ آہی نہیں سکتا (یعنی آپ کی ذات خودی کے نقص سے پاک ہے)

(۱۸۷) آپؐ نے رازِ نہاں کا پردہ اٹھایا (اسرارِ غیب آشکار کیے) اور آپؐ گویا معجزہ ہیں جو ذاتِ الٰہی سے صادر ہوا۔

(۱۸۸) آپؐ خدا کی دیرینہ تمنا ہیں۔ خدا کو اپنی ذات سے کچھ امیدیں تھیں جو آپ کے ذریعہ سے پوری ہوئیں۔

(۱۸۹) جسمِ پاک نور کا مصفّٰی سرچشمہ ہے لیکن ایسا لطیف ہے جیسے کسی چشمہ میں چاند کا عکس نظر آئے۔

(۱۹۰) آپؐ کے ہر جام سے کوئی نہ کوئی پیاسا ایک گھونٹ کا طالب ہے اور آپ کے ہر قدم پر کوئی نہ کوئی معجزہ صادر ہوتا ہے۔

(۱۹۱) آپؐ کا کلام دلوں میں یوں اتر جاتا ہے گویا جلد تمنے میں نفَس سے بھی سبقت لے جاتا ہے۔

(۱۹۲) آپؐ کی رفتار پتھر پر قدم کے نقش چھوڑتی ہے۔ اس طرح کہ پائے مبارک کو پتھر سے کوئی گزند نہیں پہونچتا۔

(۱۹۳) به دستش کشاد قلم نارسا
به کلکش سوادِ رقم نارسا

(۱۹۴) دل امیدجای زیان دیدگان
نظر قبله گاهِ جهان دیدگان

(۱۹۵) به رفتار صحرا گلستان کنی
به گفتار کافر مسلمان کنی

(۱۹۶) به دنیا زدین روشنائی دهی
به عقبی ز آتش رهائی دهی

(۱۹۷) ز رازیکه باوی سرودی سروش
صدا بیشش بودی ز اول بگوش

(۱۹۸) زهی قبلهٔ آدمی زادگان
نظرگاهِ پیشین فرستادگان

(۱۹۹) کسانی ده نسل آدم به خویش
روانی ده نقد عالم به خویش

(۲۰۰) بلندی ده کعبه بالای او
گرامی کن سجده سیمای او

(۲۰۱) یمن روشن از پرتو روی او
ختن بستهٔ چین گیسوی او

(۲۰۲) به کیش فر نور جهان رهنمای
ز بی راهه پویان خرامش ربای

(۱۹۳) آپؐ کے دست مبارک تک قلم کی رسائی نہیں اور آپؐ کے قلم تک تحریر کی سیاہی کا گذر نہیں ہے۔ (حضورؐ امی تھے)

(۱۹۴) آپؐ کا دل زیاں کاروں کی امیدگاہ اور آپؐ کی نظر اہلِ نظر کی قبلہ گاہ۔

(۱۹۵) رفتار سے بیابان کو باغ و بہار کرنے والے۔ اور گفتار سے کافروں کو مسلمان کرنے والے۔

(۱۹۶) دنیا کو دین کی روشنی بخشنے والے اور عقبیٰ میں دوزخ سے نجات دینے والے۔

(۱۹۷) جو راز حضرت جبرئیلؑ آپؐ کی خدمت میں پہنچاتے تھے اس کی آواز پہلے سے آپؐ کی سمع مبارک میں پہنچ جاتی تھی۔

(۱۹۸) مرحبا! آپؐ کی ذات اولادِ آدم کی قبلہ گاہ ہے اور انبیائے سلف کی منظورِ نظر۔

(۱۹۹) اپنی ذات سے نسلِ آدم کو عزت بخشنے والے اور عالم کے سکّہ کو رواج دینے والے۔

(۲۰۰) آپؐ کے قدم جوتے کعبہ کو سربلندی دی اور آپؐ کی پیشانی نے سجدہ کو افتخار عطا کیا۔

(۲۰۱) اگر یٰسین ہے تو آپ کے پرتوِ جمال سے منوّر اور ختن ہے تو آپ کے خمِ گیسو کا اسیر۔

(۲۰۲) سچے دین کی طرف جہان کی رہ نمائی کرنے والے اور بے راہ چلنے والوں کی قوّت رفتار کو سلب کرنے والے۔

(۲۰۳) ز بت بندگی مردم آزاد کن
جہانی بہ یک خانہ آباد کن

(۲۰۴) بہ محراب مسجد رخ آرای دیر
بہ اندیش خویش و دعاگوی غیر

(۲۰۵) تو گوئی زبس دل ز دشمن رباست
کہ سنگ درش سنگ آہن رباست

(۲۰۶) ز خوییکہ در کربلا شد سبیل
ادا کرد دوام زمانِ خلیل

(۲۰۷) گزیں بندہ کز بندگی سر نتافت
ز والا پیمبی عوض بر نتافت

(۲۰۸) کنش را بداں گونہ شیرازہ بست
بدیں صفحہ نقش چناں تازہ بست

(۲۰۹) کہ تا گردش چرخ نیلوفری
بود سبز جایش بہ پیغمبری

---*---

(۲۰۳) بتوں کی بندگی سے انسان کو آزاد کرنے والے اور تمام دنیا کو ایک گھر (کعبہ) میں آباد کرنے والے۔

(۲۰۴) مسجد کے محراب سے بت خانے کی شکل سنوارنے والے، اپنوں کے بہی خواہ اور غیروں کے دعاگو۔

(۲۰۵) آپؐ نے اپنے اخلاق سے دشمنوں کے دل چھین لئے گویا آپؐ کا سنگِ در سنگِ مقناطیس ہے۔

(۲۰۶) وہ خون جو کربلا میں بہایا گیا وہ دراصل حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانے کا قرض تھا۔ (جو آپ کے فرزند) حضرت حسینؓ نے ادا کر دیا۔

(۲۰۷) خدا کے ایسے برگزیدہ بندے جنھوں نے کبھی بندگی سے سر نہیں پھیرا۔ اور عالی ہمتی سے کبھی بدلا نہ چاہا۔

(۲۰۸) عمل کی شیرازہ بندی اس طرح فرمائی اور روئے زمین پر ایسا نادر نقش قایم کیا۔

(۲۰۹) کہ جب تک نیلا آسمان گردش میں ہے۔ آپؐ کی نبوّت کا سکّہ جاری رہے گا۔

معراج

(۲۱۰) فرو رفت چون روز لیلای شب
برآراست محمل برسم عرب

(۲۱۱) رخی جلوه گر در برندِ سیاه
چو از مردمک جوشش نورِ نگاه

(۲۱۲) براهش زبس نور می بیختند
بهر ذره خورشید می ریختند

(۲۱۳) چه بود از درخشندگی کان نداشت
نیازی بخورشید تابان نداشت

(۲۱۴) نه گویم شبی ماه وش دل بری
خود از زیور پیکرش گوهری

(۲۱۵) گر از زیوری گوهری کم شود
چه از تابش پیکری کم شود

(۲۱۶) دران شب زبس بوده رخشان سرشت
فرو خوانده مردم خطِ سرنوشت

معراج

(۲۱۰) جب دن ڈھل گیا تو لیلائے شب نے عربوں کے دستور کے مطابق اپنا محمل سجایا۔

(۲۱۱) اس کا چہرہ (رات) سیاہ ریشمی چادر میں اس طرح جلوہ گر تھا جیسے آنکھ کی پتلی میں نور۔

(۲۱۲) قدرت نے اس کی راہ میں اس قدر نور بیزی کی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر ذرہ میں آفتاب بکھرا ہوا ہے۔

(۲۱۳) اگرچہ اس رات کو آفتاب کی حاجت نہ تھی پھر بھی کون سی درخشانی تھی جو اس میں نہ ہو۔

(۲۱۴) رات نہ تھی اس کو ایک ماہ وش حسین سمجھو کہ آفتاب بھی اس کے زیور کا ایک موتی تھا۔

(۲۱۵) اگر کسی زیور میں ایک موتی کی کمی ہو تو زیور کے پہننے والے کے حسن میں کیا نقصان ہوگا۔

(۲۱۶) وہ رات اتنی روشن تھی کہ لوگ اس کی روشنی خط تقدیر پڑھ لیتے تھے۔

(۲۱۷) کہ ناگہ درود سرودش سروش
درآن بیکران قلزم افگند جوش

(۲۱۸) ز بادیکہ از بالِ جبرئیل خاست
تنومند موجی ازان نیل خاست

(۲۱۹) صدایی رسید از پر بہمنی
کہ خود گوش چشمی شد از روشنی

(۲۲۰) مہین پردہ دار درکبریا
کشایندۂ پردہ بر انبیا

(۲۲۱) ہمایون ہمایی پیام آوری
بآوردن نامہ نام آوری

(۲۲۲) روان و خرد را روانی بدو
نبیؐ را دمِ راز دانی بدو

(۲۲۳) امینی نخستین خرد نام او
ز سرجوش نورِ حق آشام او

(۲۲۴) فروزان بفر فروغِ یقین
چنان کز محمدؐ دل از وی جبین

(۲۲۵) سرایندۂ راز بعد از درود
بدین پردہ رازِ نہانی سرود

(۲۲۶) کہ ای چشم ہستی بروی تو باز
نیازِ تو ہنگامہ آرای ناز

(۲۱۷) یہی حالت تھی کہ حضرت جبریلؑ کے درود نے رات کے بحرِ ذخار میں جوش پیدا کر دیا۔

(۲۱۸) جبریلؑ کے پروں سے جو ہوا آئی اس سے اس دریائے نیل (رات) میں زبردست موج اٹھی۔

(۲۱۹) فرشتے کے پر سے جو آواز آئی اس کی روشنی سے کان میں آنکھ کا وصف پیدا ہوگیا۔

(۲۲۰) وہی جبریلؑ جو درگاہ خداوندی کے سب سے عالی رتبہ دربان اور پیغمبروں کے لئے پردہ اٹھانے والے ہیں (یعنی اسرارِ الٰہی ظاہر کرنے والے)۔

(۲۲۱) مبارک پیام لانے والے اور فرمانِ الٰہی پہونچانے میں نام آور۔

(۲۲۲) جن کی برکت سے روح اور عقل میں حرکت ہے اور جو نبیؑ کے رازداں تھے۔

(۲۲۳) امینِ الٰہی جن کو عقلِ اول کہا جاتا ہے اور نورِ حق کی شراب جن کی غذا ہے۔

(۲۲۴) یقین کی روشنی سے منور جیسے خود ان کی پیشانی اور رسول پاکؐ کا دل۔

(۲۲۵) انھوں نے حاضر ہو کر درود کے بعد اس بھید کا انکشاف کیا اور اس پردے میں رازِ نہاں سنایا۔

(۲۲۶) کہ اے محبوب خدا جن کے روئے پاک پر دنیا کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں اور جن کے نیاز نے ناز کی محفل میں ہنگامہ ڈال دیا۔

(۲۲۷) خداوند گیتی خریدار تست
شبست این ولی روز بازار تست

(۲۲۸) چنین لنگر ناز سنگین چرا
نه طور اظهار تمکین چرا

(۲۲۹) کسان جلوه بر طور گردیده اند
ز راه تو آن سنگ برچیده اند

(۲۳۰) نه بینی براه اندرون سنگلاخ
کران تا کرانست راهی فراخ

(۲۳۱) بلی از گدایان دیدار خواه !
نه بیند کسی جز بره روی شاه

(۲۳۲) عزیزی که فرمان شاهش بود
گزین پایه دربار گاهش بود

(۲۳۳) به دورِ تو شد لن ترانی کهن
فصاحت مکرر نسنجد سخن

(۲۳۴) ترا خواستگارست یزدان پاک
هر آئینه از لن ترانی چه باک

(۲۳۵) تویی کانچه موسے یاد گفته ست
خداوندیکتا بتو گفته است

(۲۳۶) جهان آفریں را خور و خواب نیست
تو فارغ به بستر چه خسپی بالیست

(۲۲۷) خداوند عالم آپ کا خریدار ہے اگرچہ اس وقت رات ہے لیکن آپ کے حق میں روز بازار ہے (یعنی آپ کی ترقی مدارج کی ساعت ہے)

(۲۲۸) ناز کا لنگر اتنا بھاری کیوں ہے۔ آپ کوہِ طور نہیں ہیں پھر اس قدر تمکین کا اظہار کس لئے (یعنی آپ خواب راحت سے اٹھئے اور دیدارِ خداوندی کے لئے اٹھئے)

(۲۲۹) مانا کہ دوسروں نے طور پر جلوہ دیکھا تھا لیکن آپ کی راہ سے وہ پتھر (رکاوٹ) ہٹا لیا گیا ہے۔

(۲۳۰) آپ راستے میں کہیں سنگ لاخ زمین نہ پائیں گے۔ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کشادہ راہ ہے۔

(۲۳۱) بے شک طالب دیدار فقرا میں سے کوئی بادشاہ کا جلوہ نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں راہ چلتے میں دیکھ لینا دوسری بات ہے۔

(۲۳۲) البتہ جس صاحب عزت کو شاہی حکم پہنچتا ہے اس کو عین بارگاہ میں دیدار نصیب ہوتا ہے۔

(۲۳۳) آپ کے دور میں 'لن ترانی' کی رسم منسوخ ہوگئی۔ کیونکہ فصاحت تکرار روا نہیں رکھتی۔

(۲۳۴) خود خدا آپ کا خواست گار ہے اس لئے آپ کو 'لن ترانی' کا کیا ڈر۔

(۲۳۵) آپ کی وہ شان ہے کہ جو سوال جناب موسیٰ نے خدائے پاک سے کیا تھا وہ اب آپ سے کر رہا ہے۔

(۲۳۶) خداوند عالم نہ کھاتا ہے اور نہ سوتا ہے۔ ایسی حالت میں آپ اطمینان سے بستر پر کیا آرام فرما رہے ہیں۔ اٹھئے۔

(۲۳۷) بیارای شمشاد بی سایه را
به همای اورنگ نه پایه را

(۲۳۸) چو خاطر به گفتار خویشش کشید
هما سایه رخشی به پیشش کشید

(۲۳۹) بروحانیان پرورش یافته
زریحان مینو خورش یافته

(۲۴۰) همیونی که تا دم زمستی زند
زبالا قدم سوی پستی زند

(۲۴۱) زگنبد بغلطانی از گردگاں
نیفتد که آید فروز آسماں

(۲۴۲) پیمبر بدیں مژدهٔ دل نواز
که بودش در اندیشه از دیر باز

(۲۴۳) زبس ذوق ناسوده بریال دست
برآں باره یکبارگی برنشست

(۲۴۴) مثل زد بریں ماجرا بلبلی
که باد آمد و برد بوی گلی

(۲۴۵) ازاں پس که ایں راه کوتاه شد
حمل تا به خویش قدم گاه شد

(۲۴۶) بداں پویه پیمود ایں هشت چرخ
که صد بار گرد سرش گشت چرخ

(۲۳۷) اپنے بے سایہ شمشاد (قد) کو آراستہ کیجئے اور نُہ پایہ تخت (آسمان) کو اپنے قدموں سے مشرف فرمائیے۔

(۲۳۸) جب حضرت جبرئیلؑ نے اپنی باتوں سے آپؐ کو مائل کر لیا تو ایک ہُما صفت گھوڑا (بُراق) آپؐ کو پیش کیا۔

(۲۳۹) جو فرشتوں کے درمیان پرورش پایا ہوا تھا اور جس کی خوراک جنّت کے ریحان (جنت کا سبزہ) تھے۔

(۲۴۰) ایسا گھوڑا کہ جب مستانہ رفتار پر متوجہ ہو اور بلندی سے پستی کی طرف رواں ہو۔

(۲۴۱) تو اگر کوئی شخص گنبد سے اخروٹ لُڑکائے تو وہ گرنے نہ پائے کہ گھوڑا آسمان سے زمین پر اتر آئے۔

(۲۴۲) پیغمبر خدا نے یہ مژدہ دل نواز پا کر جو مدت سے آپ کے دل میں جاگزیں تھا۔

(۲۴۳) اس کی گردن پر ہاتھ پھیرے اور کمال ذوق میں فوراً سوار ہو گئے۔

(۲۴۴) یہ ماجرا دیکھ کر ایک بلبل نے مثال بیان کی کہ ہوا آئی اور لوئے گل کو اڑا کر لے گئی۔

(۲۴۵) جب یہ راستہ طے ہو گیا تب حمل سے لے کر حوت تک تمام بروج فلکی آپ کے زیر قدم آئے۔

(۲۴۶) آٹھوں آسمان اس رفتار سے گردش کر رہے تھے کہ سو بار آپؐ کے گرد پھرے ہوں گے۔

(۲۴۷) نه‌هم پایه کان راتوان خواند عرش
بره ز اطلس خویش گستردفرش

(۲۴۸) زهی نامور پایهٔ سرفراز
سراپردهٔ خلوتستان راز

(۲۴۹) سررشتهٔ نازش چون وچند
به پیوند ہستی بدان پایه بند

(۲۵۰) بود گرچه برتر ز افلاکیان
ولی لرزد از نالهٔ خاکیان

(۲۵۱) دلِ بینوایی گرآید به درد
نشیند بدان پایهٔ پاک گرد

(۲۵۲) صدای شکست کمرگاه مور
درین جاست ہیچ ودران پرده شور

(۲۵۳) نه از مہر نام و نه انجم نشان
نه دریا نمایان نه ریگِ روان

(۲۵۴) دو گیتی نمایش ز صبحش دمی
خود آن صبح را ہر فلک شبنمی

(۲۵۵) ز ایزد پرستان به ہر سرزمین
بود سجده آنجا چو سر بر زمین

(۲۴۷) نویں منزل جس کو عرش کہتے ہیں اس نے آپؐ کی خاطر راہ میں اپنی اطلس[1] کا فرش بچھا دیا۔

(۲۴۸) اس مقام کی بلندی کا کیا کہنا جو خلوت راز کا سرا پردہ تھا۔

(۲۴۹) دنیا کے کیف و کم کے غرور کی اس مقام میں رسائی نہ تھی۔

(۲۵۰) اگرچہ عرش معلے افلاکیوں (فرشتوں) کے تصور سے بھی بلند ہے مگر خاکیوں (انسان) کے نالہ و فریاد سے لرز جاتا ہے۔

(۲۵۱) اگر کسی غریب کا دل دکھتا ہے تو عرش کا پایہ اس کے غبار سے آلودہ ہو جاتا ہے۔

(۲۵۲) یہاں تک کہ چونٹی کی کمر کے ٹوٹنے سے اہل زمیں کو خواہ خبر بھی نہ ہو مگر عرش پر ہنگامہ ہو جاتا ہے۔

(۲۵۳) نہ وہاں آفتاب کا پتہ تھا نہ ستاروں کا۔ نہ دریا کا وجود تھا نہ ریگ رواں کا۔

(۲۵۴) کونین کی ہستی اس کی صبح کے ایک نفس سے زیادہ نہ تھی۔ اس کی صبح کے مقابلے میں ہر فلک شبنم کی طرح بے مقدار تھا۔

(۲۵۵) ہر سرزمین کے خدا پرستوں کے سجدے وہاں یوں پہونچتے تھے جیسے زمین پر سر۔

---

[1] اطلس:۔ نویں آسمان کو بھی کہتے ہیں۔

(۲۵۶) بساطی ہم از خویشتن تابناک
زآلایش کلفت رنگ پاک

(۲۵۷) زبس پای لغزخیال از صفا
رسیدن بہ پہنای آں نارسا

(۲۵۸) در آمد گرانمایہ مہمان حق
برخ ماہتاب شبستان حق

(۲۵۹) قدم زد براہیکہ رفتن نداشت
نگہبان و ہمراہ و رہزن نداشت

(۲۶۰) در آنجا کہ از روی فرہنگ رای
بجا باشد ار خود نگویند جای

(۲۶۱) جہت را دم خود نمائی نماند
زمان و مکان را روائی نماند

(۲۶۲) غبار نظر شد زرہ ناپدید
سراپای بینندہ شد جملہ دید

(۲۶۳) در آورد بی کلفت سمت و سوی
بنور السمٰوٰت والارض روی

(۲۵۶) وہ ایسی بساط تھی جو اپنے ہی نور سے روشن تھی۔ اور رنگ کی
کلفت کی آلودگی سے پاک تھی۔

(۲۵۷) صفا کا یہ حال تھا کہ خیال کے پاؤں پھسلتے تھے اور اس کی
وسعت میں رسائی کو نارسائی کا گلہ تھا۔

(۲۵۸) خدا کا مہمان عزیز جس کا روئے پاک شبستان حق کا چاند تھا اس
مقام میں وارد ہوا۔

(۲۵۹) اور اس راہ پر قدم رکھا جس میں رفتار بھی عاجز تھی اور نگہبان اور
رفیق اور رہ زن کسی کا پتہ نہ تھا۔

(۲۶۰) اس جگہ جس کو عقل و دانش کی رُو سے جگہہ کہنا بھی روا نہیں۔

(۲۶۱) جہت خود نمائی سے معطل اور زمان و مکان لاشے تھے۔

(۲۶۲) نظر کا غبار بھی راستہ سے معدوم ہو گیا اور شاہد کا سراپا تمام تر
مشاہدہ بن گیا۔

(۲۶۳) پیمبر خدا سمت و جہت سے ماورا ہو کر نور السماوات و
الارض (اللہ تعالیٰ) کی طرف متوجہ ہو گئے۔

منقبت

(۲۶۴) ہزار آفریں برمن و دین من
کہ منعم پرستیست آئین من

(۲۶۵) چراغیکہ روشن کند خانہ ام
تو گوئی منش نیز پروانہ ام

(۲۶۶) حریفیکہ نوشم می از ساغرش
بہر جرعہ گردم بگرد سرش

(۲۶۷) برانم کہ دادار یکتا ستی
فروغ حقائق ز اسما ستی

(۲۶۸) بہر گوشہ از عرصۂ این طلسم
دہد روشنائی جداگانہ اسم

(۲۶۹) لبم در شمار ولی اللّہیست
دلم راز دار علی اللّہیست

(۲۷۰) چو مربوب ایں اسم سامیستم
نشان مند ایں نام نامیستم

منقبتؓ

(۲۶۴) مجھ پر اور میرے دین پر ہزار آفریں کہ میرا مسلک اپنے محسن کی پرستش ہے۔

(۲۶۵) وہ چراغ جس نے میرے گھر کو روشن کیا ہے میں اس کا پروانہ بھی ہوں۔

(۲۶۶) میں جس حریف کے ساغر سے شراب پیتا ہوں ہر گھونٹ پر اس کے قربان ہوتا ہوں۔

(۲۶۷) میرا عقیدہ ہے کہ خدا واحد ہے اور اسی کے اسما (صفات) سے حقایق کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔

(۲۶۸) دنیا کے طلسم کے ہر گوشہ میں اسی کے کسی نہ کسی اسم کی تجلی ہے۔

(۲۶۹) میرے لب علیؓ ولی اللہ کا ورد کرتے ہیں۔ لیکن میرا دل علیؓ الٰہی کے راز سے واقف ہے۔

(۲۷۰) جب میں اس نام مقدس (علیؓ) کا تربیت یافتہ ہوں اور اس نام نامی سے نسبت رکھتا ہوں۔

(۲۷۱) بلندم بدانش نه پستم همی
به دیں نام یزداں پرستم همی

(۲۷۲) نیاساید اندیشه جز با علیؑ
زاسمانیند یشم الا علیؑ

(۲۷۳) به بزم طرب هم نوایم علیؑست
به کنج غم اندوه ربایم علیؑست

(۲۷۴) به تنهائیم راز گوئی باوست
بهنگام رام پایه جوئی باوست

(۲۷۵) نبی را پذیرم به پیمان او
خدا را پرستم به ایمان او

(۲۷۶) خدائیش روا نیست هرچند گفت
علیؑ را توانم خداوند گفت

(۲۷۷) پس از شاه کس غیر دستور نیست
خداوند من از خدا دور نیست

(۲۷۸) زہی قبلۂ اهل ایمان علیؑ
به تن گشته همسایه جان علیؑ

(۲۷۹) پدیدار در خاندان نبیؐ
به گیتی درازوی نشان نبیؐ

(۲۸۰) بیک سلک روشن دو ویک گهر
نبیؐ را جگر پاره او را جگر

(۲۷۱) تو میں دانش کے لحاظ سے بلند ہوں نہ کہ پست اور اس نام (علیؑ)
کے پردہ میں خدا ہی کو پوجتا ہوں۔

(۲۷۲) میری فکر کو علیؑ کی نسبت کے بغیر اطمینان نہیں ہوتا اور اسمائے
الٰہی میں میرے دل میں نام علیؑ کے سوا اور کوئی تصور نہیں آتا۔

(۲۷۳) خوشی کی محفلوں میں وہ میرے ساتھ ہے اور غم کے ہجوم میں
وہی میرا سہارا ہے۔

(۲۷۴) میں خلوت میں اپنا راز کہتا ہوں تو اسی سے اور جلوت میں
آبرو چاہتا ہوں تو انہی کے سہارے سے۔

(۲۷۵) رسول اکرمؐ پر میں اس لئے ایمان لایا کہ علیؑ نے ان سے پیمان
باندھا اور خدا کی عبادت اس لئے اختیار کی کہ علیؑ اس
پر ایمان رکھتے تھے۔

(۲۷۶) اگرچہ میں ان کو خدا کہنا روا نہیں رکھتا لیکن خداوند تو کہہ
سکتا ہوں۔

(۲۷۷) بادشاہ کے بعد وزیر کے سوا کوئی نہیں اس لئے میرا خداوند
خدا سے دور نہیں۔

(۲۷۸) علیؑ قبلۂ اہلِ ایمان ہیں اور تن کے باوجود (لطافت میں)
روح کے ہم رتبہ ہیں۔

(۲۷۹) آپ نبیؐ کے خاندان میں سب سے ممتاز ہیں اور دنیا میں نبیؐ
کا نشان آپ ہی سے چلا ہے۔

(۲۸۰) ایک روشن لڑی نے گیارہ موتی (گیارہ امام) پروئے ہیں جو
نبی کے جگر کے ٹکڑے اور علیؑ کے جگر ہیں۔

(۲۸۱) جگر پارہا چوں برابر نہند
بگفتن جگر نام آں بر نہند

(۲۸۲) علیؑ راست بعد از نبی جای او
ہمان حکم کل دارد اجزای او

(۲۸۳) ہمانا پس از خاتم المرسلین
بود تا بہ مہدی علی جانشین

(۲۸۴) نژادِ علیؑ با محمدؐ یکیست
محمدؐ ہمان تا محمدؐ یکیست

(۲۸۵) بہ رد و قبول کسانم چہ کار
علیؑ باید م با جہانم چہ کار

(۲۸۶) طلب پیشگاں را بہ دعوی چہ کار
ز بخشندہ یزدانم امیدوار

(۲۸۷) کہ جاں برد ربو ترا بم دہد
دران خاک فرمان خوابم دہد

(۲۸۸) چہ کاہد ز نیروی گرداں سپہر
چہ کم گردد از خوبی ماہ و مہر

(۲۸۹) کہ دل خستۂ دہلوی مسکنی
ز خاک نجف باشدش مدفنی

(۲۹۰) خدایا بدیں آرزویم رساں
ز اشک من آبی بجویم رساں

(۲۸۱) جب جگر کے ٹکڑوں کو برابر برابر رکھا جائے تو بولنے میں ان
کو جگر ہی کہا جاتا ہے۔

(۲۸۲) نبیؐ کے بعد علیؑ ہی کا درجہ ہے کیوں کہ اجزا کُل کا حکم
رکھتے ہیں۔

(۲۸۳) اسی لئے خاتم المرسلین کے بعد امام مہدی تک علیؑ ہی
رسولؐ کی جانشینی کا حق رکھتے ہیں۔

(۲۸۴) علیؑ اور محمدؐ کا نسب ایک ہی ہے۔ محمدؐ سے لے کر محمدؑ
(امام مہدی) تک یگانگت ہے، دوئی نہیں ہے۔

(۲۸۵) مجھے لوگوں کے ردّو قبول سے کیا مطلب؟ مجھے علیؑ سے کام
ہے دنیا سے کیا غرض۔

(۲۸۶) سائلوں کو جھگڑے سے کیا غرض البتہ خدائے پاک سے یہ
امید رکھتا ہوں۔

(۲۸۷) کہ مجھے علیؑ کے دروازے پہ زندگی گذارنے کی اجازت دے
اور پھر اسی خاک میں آسودہ ہونے کا حکم بھیجے۔

(۲۸۸) آسمان کی شان کیا کم ہو جائے گی اور مہر و ماہ کی خوبی میں کیا
فرق آجائے گا۔

(۲۸۹) یہ دہلی کا ایک خستہ دل باشندہ نجف کی خاک میں
دفن ہو۔

(۲۹۰) خدایا مجھے اس آرزو تک پہونچا اور میری اشک باری کو درجہ
قبول عطا کر۔

ساقی نامه

(۲۹۱) بیا ساقی آیینِ جم تازه کن
طرازِ بساطِ کرم تازه کن

(۲۹۲) به دَورِ پیاپی بپیمای می
به شورِ دمادم بفرسای نی

(۲۹۳) همانا تو دانسته‌ای کز دو سال
نه نوشم می الا به بزمِ خیال

(۲۹۴) زلب تشنگی چون بمی درخورم
تو کم ترخور امروز تا برخورم

(۲۹۵) تو آن چشمهٔ کز تو خضر آب خورد
سکندر زلب تشنگی تاب خورد

(۲۹۶) نه خضری که در آب باشی بخیل
تو آبی ولی کوثر و سلسبیل

(۲۹۷) هر آمیز چون اعتقاد این بود
منوش و بنوشان که داد این بود

(۲۹۸) زخود رفته ترکیست هندوی تو
عجب نبود از خوبی خوی تو

(۲۹۹) کرجی رضای زخود رفتهٔ
دهی می به ترکِ جگر تفتهٔ

ساقی نامہ

(۲۹۱) ساقی آ اور جمشید کے آئین کی تجدید کر اور از سرِ نو کرم کی بساط بچھا۔

(۲۹۲) شراب کے دَور پر دَور چلیں اور بانسری سے لگاتار نغمے پیدا ہوں۔

(۲۹۳) تو واقف ہے کہ دو سال سے میں نے شراب نہیں چکھی۔ ہاں بزمِ خیال کی دوسری بات ہے۔

(۲۹۴) میں لبِ تشنہ ہونے کی وجہ سے شراب کا مستحق ہوں۔ تو نہ پی، تاکہ میں دل کھول کر پیوں۔

(۲۹۵) تو وہ چشمہ ہے جس سے خضر نے پانی پی لیا۔ مگر سکندر پیاسا رہا۔

(۲۹۶) تو خضر نہیں ہے جو پانی دینے میں بخل کرے بلکہ تو پانی ہے اور وہ بھی کوثر و سلسبیل کا۔

(۲۹۷) جب میرا یہ اعتقاد ہے تو میں چاہتا ہوں کہ تو نہ پیئے مگر پلائے جا کیوں کہ انصاف کا تقاضا یہی ہے۔

(۲۹۹) ایک خود رفتہ مے خوار کی دل دہی کرے اور اس پیاسے ترک کو جامِ شراب دے۔

(۳۰۰) کیا تجھے معلوم نہیں کہ ایک مدت کے بعد میں نے شراب کی طرف ہاتھ بڑھایا ہے۔

(۳۰۰) ندانی پس از روزگاری دراز
می کرده ام دست باری دراز

(۳۰۱) مرا دستگاهِ می وشیشه کو
نشاطی چنین جز در اندیشه کو

(۳۰۲) می وشیشه بگذار وبگذر زمن
همانا نه من بلکه این انجمن

(۳۰۳) نمودیست کان را بود بود، هیچ
زیان، هیچ وسرمایه وسود هیچ

(۳۰۴) نمود دو گیتی به گیتی خدای
چنین ست دیگر نه دانیم رای

(۳۰۵) من وتو که بدنام پیدائیم
رقم های منشور یکتاییم

(۳۰۶) ولیکن چو این ایزدی سیماست
بدانست هستی چنین دیرپاست

(۳۰۷) دو گیتی ازاں جز نمی بیش نیست
ازل تا ابد خود دمی بیش نیست

(۳۰۸) خوشست باد غالب بساز آمدن
نواسنج قانونِ راز آمدن

(۳۰۹) بگیتی مگر حرف دیگر نماند
ویا خود ترا هوش در سر نماند

(۳۰۱) مجھے شراب اور شیشہ کا مقدور کہاں - یہ عیش اگر میسر بھی ہوا
ہے تو محض عالم تصور میں -

(۳۰۲) شراب اور شیشہ الگ رکھو اور میرا خیال بھی چھوڑ. کیوں کر
نہ صرف میں بلکہ یہ پوری انجمن (دنیا)

(۳۰۳) صرف ایک نمود ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں - اس کا سرمایہ
بھی ہیچ اور اس کا سود و زیاں بھی ہیچ -

(۳۰۴) دونوں جہان کی نمود ذات حق کی بدولت ہے. حقیقت یہی ہے،
اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا -

(۳۰۵) میں اور تو جو وجود کی تہمت اپنے سر لئے ہوئے ہیں وحدت کے
فرمان کی تحریر کے سوا کچھ نہیں -

(۳۰۶) لیکن چوں کہ یہ سیمیائی نمود خدا کی طرف سے ہے اس لئے حواس
کو اس قدر دیرپا معلوم ہوتی ہے -

(۳۰۷) لیکن دونوں جہان اس نہر (وحدت) کے ایک قطرے سے زیادہ
نہیں اور ازل سے لے کر ابد تک کا ٹھیراؤ ایک لمحہ سے بڑھ کر نہیں-

(۳۰۸) غالبؔ یہ سنجیدگی تجھے مبارک ہو اور راز کے ساز سے نغمے پیدا کرنا
مجھے سزاوار ہو-

(۳۰۹) لیکن کیا دنیا میں کوئی اور موضوع نہیں رہا یا خود تیری عقل ٹھکانے
نہیں رہی -

(۳۱۰) کیا تو نہیں جانتا کہ عرفان گفتار کا محتاج نہیں - یہ وہ پردہ ہے
جہاں آواز کی رسائی تک ممکن نہیں -

(۳۱۰) نه دانی که دانش به گفتار نیست
درین پرده آواز را بار نیست

(۳۱۱) تصوّف نه زیبد سخن پیشه را
سخن پیشه رند کثر اندیشه را

(۳۱۲) نشا نمند ایں روشنائی نه ای
غزل خوان و می خور سنائی نه ای

(۳۱۳) غزل گر نه باشد نوائی دگر
سر دل سلامت ہوائی دگر

(۳۱۴) غزل گر ملال آرد افسانه گوی
کہن داستانہای شاہانه گوی

(۳۱۵) گذشت آں که دستان سرای کہن
زکیخسرو و رستم آرد سخن

(۳۱۶) منم کم بود در ترازِ کلام
شہنشه پیمبر سپہبد امام

(۳۱۷) به اقبال ایمان و نیروی دین
سخن رانم از سیّد المرسلینؐ

(۳۱۸) درین ره پیچ سفرہا بسیت
بود راست، لیکن خطرہا بسیت

(۳۱۱) ایک شاعر کو جو غلط اندیش رند بھی ہے تصوف کے نکات بیان کرنا زیب نہیں دیتا۔

(۳۱۲) تجھے اس روشنی (تصوف) کا سراغ نہیں مل سکتا۔ تو غزل سرائی کئے جا اور شراب پئے جا۔ تو سنائی نہیں ہے۔

(۳۱۳) اگر غزل نہ سہی کوئی اور صنف سہی۔ دل سلامت چاہیے۔ سینکڑوں راہیں ہیں۔

(۳۱۴) اگر غزل سے طبیعت اکتائے تو افسانہ گوئی اختیار کر اور شاہانِ قدیم کی داستانیں سنا۔

(۳۱۵) وہ زمانے گئے کہ پرانے داستان گو خسرو اور رستم کے افسانے سنایا کرتے تھے۔

(۳۱۶) مگر میں وہ ہوں جو ترتیب کلام میں پیمبرؐ کو شہنشاہ اور امام کو سپہ سالار مانتا ہے۔

(۳۱۷) ایمان کے اقبال اور دین کی مدد سے میں پیمبروں کے سردار رسولؐ پاک کی داستان شروع کرتا ہوں۔

(۳۱۸) اس راستہ کا سفر بہت دور و دراز ہے۔ راستہ تو سیدھا ہے لیکن ہر قدم پر خطرے ہیں (جن میں احتیاط شرط ہے)